ہدیہ امامیہ مشن لکھنؤ

22-10-56

طبع ششم

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

قیمت: -/90

محصول ا/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطاہرین

"نظام زندگی" میں عبادات کے ذیل میں نماز کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ نماز کے بعد دوسرا درجہ روزہ کا ہے جس کو عربی میں "صوم" کہتے ہیں۔

صوم کے معنی

لغوی معنی صمت یعنی خاموشی کے ہیں اور اسی معنی سے حضرت مریم کی زبانی قرآن مجید میں مذکور ہے انی نذرت للرحمٰن صوما اس کے معنی یہی ہیں کہ میں نے چپ رہنے کی نذر کی ہے دوسرے معنی صوم کے باز رہنے کے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ پہلے معنی پر بھی صوم کا اطلاق اسی مفہوم کے لحاظ سے ہے۔ وہ بھی کلام سے باز رہنا اور اپنی زبان کو نطق سے روکنا ہے اس لیے اس کو صوم کہتے ہیں۔ شرع نے اسی لغوی معنی کو لیتے ہوئے اس میں کچھ قیود اور اضافوں کے ساتھ اصطلاحی مفہوم کی تشکیل کی ہے اور ایسا ہی شرع نے تمام اصطلاحی الفاظ میں کیا ہے۔

صلوٰۃ کیا تھی، "دعا" لیکن وہ اب بارگاہ الٰہی میں ایک خاص طرح کا عرض و معروض ہو گیا جو قیام و قعود اور رکوع و سجود کے ساتھ ہو،

تعارف

دنیا میں جتنے مذہب اور جتنے سیاسی اور معاشرتی نظام ہیں یہ سب کے سب ایک
ایک طرح کے نظام زندگی ہیں - ان میں سے زیادہ تر ہر شعبۂ حیات کا احاطہ نہیں کرتے، کسی
نے کوئی رُخ لے لیا ہے تو کسی نے کوئی، کچھ نے اپنے اپنے نظاموں کو جغرافیائی حدود کے اندر
رکھا ہے تو کچھ نے صرف جتھوں اور گروہوں میں محدود کر دیا ہے - اسلام نے سب سے پہلے
ہر ہر شعبۂ حیات کے ساتھ زمان و مکان کی قیدوں سے آزاد کر کے دنیا کے کل بسنے والوں
کے لیے اجتماعی حیثیت سے ہر طرح پر بہتر سے بہتر زندگی بسر کرنے کا مکمل نظام پیش کیا ہے
جس پر صحیح اور کامل طور پر گامزن ہونے والے آئیڈیل اور معیاری انسان بن سکتے ہیں -

جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ نے اسی اسلامی نظام کو اس کے جزئیات
اور تفصیلات کے ساتھ **نظام زندگی** میں تحریر فرمانے کی سعی قبول فرمائی ہے، زمانے کی مساعدت
کے ساتھ یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا - اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں - اس کے پہلے حصے
میں انسانی زندگی کا نظام اسلامی تعلیمات کی رو سے عقلی و نقلی تحقیقات کے ساتھ درج کیا گیا ہے
اسی ذیل میں مسائل تعلیم و تربیت کا اجتماع و تمدن اور تہذیب و اخلاق پر کافی روشنی ڈالی گئی
ہے - دوسرے حصے میں فلسفۂ تقلید، حقیقت عبادت، طہارت و نجاست وغیرہ کے سے اہم
مسائل پر تبصرہ کیا گیا ہے - تیسرے حصے میں وضو کے فوائد، حقیقت نماز اور اجزائے نماز
کے اسرار و مصالح بیان کیے گئے ہیں -

زیر نظر کتاب چوتھے حصے کا دوسرا اڈیشن ہے - اس میں صوم اور احکام صوم پر
ایک حکیمانہ نظر ڈالی گئی ہے -

خادم مشن

سید آفاق حسین رضوی آنریری سکریٹری

۱۴ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء

"روحانیت اور مادیت" کے متعلق کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہ اسلام کی نگاہ میں ان دونوں کا کیا تعلق ہے اور اس نے کس قدر ان کی طرف توجہ کی ہے۔

روحانیت اور مادیت کی وسیع بحث

قید ہستی کے شکنجہ میں اسیر رہتے ہوئے روح کا مادہ کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیٰحدہ نہیں کیا جا سکتا اور دونوں کا اس طرح کا ارتباط ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔ روحانی احساسات کا اثر جسم پر اور جسمانی تاثرات کا اثر روح پر پڑتا ہے روح کا اثر جسم پر ظاہر ہے، مثلاً خوف روح کا ایک احساس ہے مگر اس سے چہرہ پہ زردی آنکھوں میں گردش۔ لبوں میں خشکی جسم میں تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر جس طرح کا احساس ہو ویسا ہی اثر۔ اچانک دھماکے کا ہنگامی احساس، اس کا نتیجہ اچھل پڑنا اور مستقل خوف کا اثر مستقل کیفیتوں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے غصہ بھی روحانی ادراک ہے اس کا اثر آنکھوں کا سرخ ہونا۔ چہرہ کا تمتما جانا، دانتوں کا پیسنا، نتھنوں کا پھولنا، اور تن بدن کا کانپنا ہوتا ہے۔ مسرت بھی روحانی کیف ہے۔ اس کے آثار چہرہ پر ایک خاص طرح کی ہلکی سرخی کا دوڑ جانا، لبوں پر مسکراہٹ اور زیادتی کی صورت میں قہقہہ کی آواز بلند ہو جانا ہیں۔

ایسے ہی شرمندگی، ندامت اور حیا ہر ایک کے آثار جداگانہ ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ہے روحانی تاثرات کا اثر جسم پر۔ اب رہ گیا جسم کا اثر روح پر، یہ بھی نمایاں بات ہے۔ اکثر حالات میں مزاج طبعی کی خرابی مزاج عقلی پر پڑتی ہے۔ بیماری کی حالت میں طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہو جانا، بات بات پر غصہ کا آنا یہ اس کا ایک ادنیٰ

حج کیا تھا؟ قصد، لیکن اب وہ خاص مکہ معظمہ کا قصد ہی جو خاص صورتوں سے عمل میں لایا جائے۔ زکوٰۃ کیا ہی؟ پاکیزگی لیکن اب وہ نام ہی خاص مقدار کے نکالنے کا مال سے جو اُس کی طہارت کا باعث ہو۔ یوں ہی صوم کے معنی؟ باز رہنا۔ لغوی معنی کے لحاظ سے واجبات کا ترک کرنا اور مستحبات سے باز رہنا بھی اُن کی نسبت سے صوم کہا جا سکتا ہی مگر شرعاً مخصوص اوقات میں مخصوص امور کا ترک کرنا جن سے شرع نے اس وقت میں ممانعت کی ہی خاص قصد و ارادہ کے ساتھ صوم ہی۔ یہ اسلامی حیثیت سے فرض قرار دیا گیا ہی اور پورے ماہ رمضان کے دنوں میں اُسے واجب قرار دیا ہی۔ اس کے علاوہ کسی خارجی سبب سے واجب ہو سکتا ہی جیسے نذر یا کفارہ یا عہد وغیرہ۔ اس وقت ہمارا نصب العین فریضۂ ماہ صیام کے متعلق کلام کرنا ہی۔

تیس روزے کیوں قرار دیے گئے؟

"آخر اسلام میں یہ تیس روز کے مسلسل روزے کیوں فرض قرار دیے گئے ہیں۔ کیا اس سے صرف روحانیت کا ارتقا مقصود ہی۔ اگر ایسا ہی تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ اسلام نے روحانیت کی دُھن میں مادیت سے بالکل چشم پوشی کر لی۔ گو یہ ضرور ہی کہ اُس نے رہبانیت کی سخت ترین مخالفت کی اور ازدواجی زندگی کو قابلِ تعریف اور قابلِ تقلید قرار دیا لیکن اس کے علاوہ انسانی زندگی کے دیگر مادی پہلوؤں سے بڑی حد تک تغافل برتا ہی"

یہ ایک مختصر معترضانہ سوال جو میرے سامنے پیش ہی اس کے لیے میں آئندہ چل کر روزہ کی فرضیت کی حکم اور مصالح اور فوائد بیان کروں گا لیکن سردست ایک وسیع بحث

کے قوائے مادی سے متعلق ہیں۔ ادراک وشعور قوائے دماغی سے اور افعال و اعمال اعضاء و جوارح سے متعلق ہیں۔

اب اگر روحانیت کی ترقی کے لیے ان آلات و اعضائے جسمانی کے تعطل کو روا رکھا گیا تو وہ خود ادراکات و اعمال جو روحانی ترقی کا باعث ہیں یک لخت ختم ہو جائیں گے

مثلاً ایسا مذہب جس کے نزدیک عبادت اور روحانی ریاضت کا طریقہ یہ ہے کہ انسان سانس روک کر مثل مردوں کے لیٹ جائے۔ تو اس مردہ نما زندگی سے نہ خلق خدا کی خدمت کا کوئی انجام پا سکتا ہے نہ ادراکات و احساسات میں ترقی کا موقع ہے کیونکہ یہ ایک بے ہوشی کا سا عالم ہوگا جس میں احساس و ادراک بھی معطل ہوگا۔

اسی طرح عبادت کا یہ طریقہ کہ انسان اپنے ہاتھ کو خشک بنا لے تو اب اس ہاتھ سے اچھے کام جیسے گرتے ہوئے کو سنبھالنا۔ کمزوروں کی امداد کرنا غریبوں کی خبرگیری کرنا سب ختم ہو گئے پیروں کو شل بنا لیا تو تمام نیک کام جو پیروں سے انجام پا سکتے تھے ختم ہو گئے پھر بھلا یہ عمل روحانی ترقی کا باعث کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ مذہبی تعلیم وہی صحیح تعلیم ہو سکتی ہے جو ہمہ گیر بن سکے۔ اگر ایک شخص کے لیے روحانی ترقی کا ذریعہ یہ سمجھا جائے کہ وہ ہاتھ کو اپنے خشک کر لے تو سب کے لیے روحانی ترقی کا ذریعہ یہ ہوگا - لیکن ذرا تصور تو کیجیے کہ اگر انسانوں کی تمام مردم شماری ہاتھوں کو اپنے خشک کر کے روحانی ترقی حاصل کرنے لگے تو کیا پھر عالم انسانیت کی زندگی قائم بھی رہ سکتی ہے اور کیا کچھ ہی روز میں صفحۂ ہستی انسان کے وجود سے خالی نہ ہو جائے گا۔

اب یہ دیکھیے کہ روح اور جسم کا ارتباط جس کا سابق میں تذکرہ کیا گیا صرف خالق کی قدرت کاملہ اور اس کی بندش کا نتیجہ ہے۔ ورنہ روح اور جسم دو متضاد چیزیں ہیں جن کے

نمونہ ہے۔ خرابی معدہ کی حالت میں سونے پر بڑے بڑے خوابوں کا دکھلائی دینا اسی کا نتیجہ ہے کہ جسمانی خرابی نے روح کے ادراکات پر اثر ڈال دیے۔ مراقی اور مالیخولیائی آدمی کے تصورات و تخیلات اور ادراکات بھی اسی کا نتیجہ ہیں۔

انسان کی روح وقت پیدائش سے آخر عمر تک ایک ہی رہتی ہے۔ نشو و نما جسم کی صفت ہے روح کی نہیں ہے مگر قوائے جسمانی کی ترقیوں اور نشو و نما کے ساتھ عقل میں کمال پیدا ہوتے رہنا اور پھر پیری کی حالت میں اکثر اوقات عقل کا بہک جانا بھی اس کی دلیل ہے کہ انسان کے قوائے جسمانی کا اثر قوائے روحانی اور ادراکات عقلی پر پڑتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ انسان کی روح اور اس کے جسم میں اس دور حیات کے اندر چولی دامن کا ساتھ ہے لہذا ایک کے کمال و اعتدال کا اثر دوسرے پر پڑنا ضروری ہے۔

انسان نام ہے مجموعۂ روح و بدن کا۔ اس لیے کامیاب مذہب وہ ہے جو اس سموئی ہوئی شکل کو قائم رکھتے ہوئے انسان کو ترقی کا موقع دے اور زندگی کے اصول بتلائے ایسا مذہب جو ان میں سے ایک کو بالکل نظر انداز کر دے فطری مذہب نہیں سمجھا جا سکتا انسانی زندگی کا مقصد یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی روح جسم سے جدا ہو جائے ورنہ وہ بچہ جو شکم مادر سے پیدا ہوتے ہی دنیا سے رخصت ہو گیا اپنے مقصد حیات کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامیاب سمجھا جائے گا۔ مگر اس صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے وجود میں آنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ انسانی روح کا کمال پیدا ہو سکتا ہے تو ادراک و عمل سے۔ ادراک یعنی اعتقاد اور عمل یعنی اچھے افعال و خدمات کی انجام دہی یہی انسانیت کے کمال کے دو شعبے ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ دونوں نہاں

اسی حد تک کیا جائے گا جب تک راکب کے لیے خطرہ نہ پیدا ہو ورنہ مجبوراً مرکب کا خیال نظر انداز کرنا پڑے گا۔

اسلام کے نزدیک روح اور جسم کی حیثیت یہی ہے۔ روح اس کے نزدیک اشرف ہے اس لیے اولیت رکھتی ہے اور جسم پست مرتبہ ہے اس لیے ثانوی درجہ رکھتا ہے۔

مگر یہ جسم اُسی روح کے ارتقاء اور عمل کا ایک ذریعہ ہے سمجھ لیجیے کہ یہ اس کا مرکب ہے اس لیے روح کی خاطر سے ہی اس جسم کے ضروریات کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن یہ اس وقت تک جب تک کہ روح کی زندگی اور اس کے مفاد سے تصادم نہ ہو لیکن اگر ایسا موقع آجائے کہ جسم کو غذا پہنچانا روح کے لیے نقصان رساں ہو یا ہلاکت کا سبب ہو تو ضرور جسم کے خیال کو اس حد تک نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر روح کا ارتقاء اور اس کی بلندی کسی خاص درجہ تک جسم کو تکلیف پہنچانے پر موقوف ہو تو اتنی تکلیف کو گوارا کر لیا جائے گا۔

یوں سمجھیے کہ جسم کی پرورش مقصد اصلی نہیں ہے بلکہ روح کے بقا اور ترقی کی خاطر ہے۔

بقول شخصے "خوردن برائے زیستن است، نہ زیستن برائے خوردن"

اور یہ وہ نقطہ ہے جہاں سے اسلام اور مادیت میں جدائی ہوتی ہے کیونکہ مادیت مادہ کی ترقی کو مقصد اعلیٰ قرار دیتی ہے اور اسلام جسم و مادہ کی پرورش کو بلا شبہ ضروری سمجھتا ہے مگر اس حیثیت سے کہ روح کا اس سے تعلق ہے اور روحانی بقا و ارتقاء اس پر موقوف ہے اور اس لحاظ سے مادی ضروریات کا پورا کرنا بھی روح ہی کی خاطر ہے۔ اور اس بنا پر ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں جو عبادت کو مقصد تخلیق قرار دیا گیا ہے وہ

خواص اور کیفیات بالکل الگ ہیں ایک ہے عرش سیر اور دوسرا فرش نشین۔

یہ صرف خالق کے ارتباط کا نتیجہ ہے کہ ان میں تعلق پیدا ہوگیا ہے اس نے ان دونوں کو سمو دیا ہے اس لیے روح نے کچھ اپنی بلند صفات کو مادی جسم کی وجہ سے خیرباد کہہ دیا اور کچھ اپنی پست صفات کو جسم نے روح کے آنے سے بدل دیا مگر اس کے بعد بھی ان دونوں کے احکام و خصوصیات الگ الگ ہیں۔ روح کی غذا ہی اور ہیں۔ جسم کی غذا ہی اور ہیں۔

روح کے قاتل زہر کچھ اور ہیں اور جسم کے قاتل زہر کچھ دوسرے۔ اب چونکہ روح اور جسم دونوں کی تربیت ضروری ہے۔ اس لیے روح کو اس کی غذا ہیں پہونچانا چاہئیں اور جسم کو اس کی غذا ہیں۔ نہ اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ نہ اسے فنا کے لیے چھوڑا جا سکتا ہے مگر یاد رکھیے کہ دو چیزیں جن کا ساتھ ہوتا ہے دو طرح کی ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ دونوں ہم پلہ اور برابر کی ہیں جیسے دو بھائی جنھوں نے برابر کے سرمایہ سے ایک تجارت شروع کی ہے تو ظاہر ہے کہ نفع نقصان میں یہ دونوں برابر کے شریک ہوں گے اور کسی طرح ایک کو دوسرے سے قابل لحاظ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک بلند مرتبہ ہو اور دوسرا اس کے مقابلہ میں پست مرتبہ جس طرح راکب و مرکب، ان دونوں کے ضروریات ہیں اور راکب کی غذا الگ اور مرکب کی الگ ہے۔ ایک شخص کہ جو ان کی پرورش کا ذمہ دار ہے اسے راکب کو اس کی غذا پہونچانا چاہیے اور مرکب کو اس کی غذا۔ لیکن اگر دونوں کے ضروریات میں تصادم ہو جائے ایک ایسا وقت آجائے کہ یا تو راکب کی زندگی کا سامان کیا جائے یا مرکب کی تو اس صورت میں راکب کو مرکب پر ترجیح دی جائے گی اس کے معنی یہ ہیں کہ مرکب کا لحاظ

کلمات کفر و شرک کا زبان پر جاری کرنا اور رسول کی شان میں کلمات نازیبا استعمال کرنا بھی وہ ہے جس کے متعلق آیت آئی ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اُس شخص کو کوئی گناہ نہیں جو بہ مجبوری ایسا کرے مگر دل اُس کا ایمان پر مطمئن ہو نماز ایسی اہم عبادت لیکن تقیہ کے موقع پر وضو ہمارے طریقہ کے لحاظ سے غیر صحیح صورت پر انجام پاتا ہے نماز غلط طریقہ سے ہوتی ہے مگر جائز ہے۔ جبکہ حفاظت نفس اُس پر موقوف ہو۔ پھر وقت گزرنے پر اور اندیشہ رفع ہونے پر اُن نمازوں کی قضا تک بھی لازم نہیں ہے اس لیے کہ اپنے محل پر وہ حکم خداوندی کے مطابق انجام پا چکی ہیں۔

روزہ، اگر ایسا موقع آپڑا کہ آپ کو غروب شمس ہی کے وقت یعنی جس وقت اہل سنت روزہ افطار کرتے ہیں اُسی وقت روزہ افطار کرنا پڑتا ہے تو یہ روزہ جائز ہوگا اور پھر اس کی اعادہ اور قضا بھی لازم نہ ہوگی۔

زکوٰۃ اگر آپ کو مومنین مستحقین تک پہونچانے میں اپنے ماحول کی وجہ سے خطرہ ہے اور اس لیے آپ کو دینا پڑتی ہے اُن مسلمانوں کو جو آپ کے نزدیک صفت ایمان سے محروم ہیں تو تقیہ کی وجہ سے اُن ہی کو دے دینا برأت ذمہ کے لیے کافی ہو جائے گا۔

اسی طرح حج اور جہاد وغیرہ تمام شریعت کے شعبوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ جتنے انفرادی گناہ ہیں وہ بھی اس تقیہ کے ماتحت جائز قرار پا سکتے ہیں۔ بے شک دوسروں کی خون ریزی کسی طرح جائز نہیں ہوسکتی اپنی جان کی حفاظت کے لیے دوسرے کی جان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

کیا اس سے بڑھ کر مادی زندگی کا کوئی خیال ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ صحت جسمانی کے مفاد کی خاطر کس قدر احکام شریعت میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

کھانے پینے سونے آرام کرنے کو بھی اپنے دائرہ میں لے لیتا ہے جبکہ ان کا مقصد صرف تن آسانی اور آرام طلبی نہ ہو بلکہ اس کے آگے کچھ اور ہو یعنی جسم کو فرائض کی ادائی اور انجام دہی کے قابل رکھنا جو انسانیت کا نصب العین ہے۔

اسلام نے مادی زندگی کا کس کس طرح خیال کیا ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ جو شے نجات خود پسند ہو اُس کا دوسرے کے لیے باعث ہونا پسندیدہ ہوگا۔ اگر مادی زندگی سے قطع تعلق خدا کی نگاہ میں روحانی ترقی کے لیے پسندیدہ ہوتا تو قتل نفس کوئی جرم نہ ہوتا کیونکہ اس ذریعہ سے اُس شخص کو اُس روحانی ارتقا کے درجہ پر پہونچاتے ہیں جو مادی زندگی سے قطع تعلق پر موقوف ہے حالانکہ قتل نفس وہ گناہ عظیم ہے جس کو شرک کا ہم پلہ سمجھنا چاہیے ارشاد ہوتا ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ اتنا ہی نہیں بلکہ نفس غیر کی حفاظت واجب قرار دی یہاں تک کہ اگر نماز ایسی افضل عبادت کا وقت تنگ ہو مگر اس وقت کوئی شخص غرق ہو رہا ہو تو اُس کے بچانے کے لیے نماز کا اُس وقت ترک کر دینا لازم ہے۔ یہ ہے دوسرے کی مادی زندگی کا تحفظ اور اپنی مادی زندگی، اس کے لیے خودکشی کو گناہ عظیم قرار دیا۔ خودکشی میں کیا ہوتا ہے؟ اسی مادی زندگی کا انقطاع؟ پھر اگر اسلام مادی زندگی کا لحاظ ہی نہ کرتا ہوتا تو وہ خودکشی کو گناہ کیوں قرار دیتا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے حفاظت نفس کے لیے اپنے احکام تک میں تبدیلیاں گوارا کیں۔ تقیہ کیا ہے؟ یہی کہ حفاظت نفس کے لیے انسان بہت سی اُن باتوں کا ارتکاب کرتا ہے یا بہت سے اُن فرائض کو ترک کرتا ہے جو عام حالات میں اُس کے لیے جائز نہیں تھا۔

لحاظ نہیں کیا ہے اور روحانیت کی دُھن میں مادیت سے بہت حد تک تغافل برتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اسلام نے قدم قدم پہ مادی ضروریات کا لحاظ کیا ہے۔

بے شک وہ مادی راحت و آرام اور لذت و مسرت کی اتنی خاطرداری نہیں کرسکتا کہ فرائض کو بالکل نظرانداز کردے اور انسان کو مطلق العنان بنادے وہ اس زندگی کو بالکل قربان کردینے کی دعوت دیتا ہے جبکہ بلند مقاصد کا تحفظ اور روحانیت کا ارتقار جان کو خطرہ میں ڈالنے پر موقوف ہو جیسے جہاد کی منزل۔

نیز اس حد تک مشقت برداشت کرنے کو لازمی قرار دیتا ہے جو احکام و تکالیف کا فطری و طبعی لازمہ ہے۔

بے شک ان تکالیف شرعیہ میں مصالح و حکم مضمر ہوتے ہیں اور فوائد مترتب ہوتے ہیں

روزے کے روحانی فوائد

اب سوال کے اس جزو پر نظر ڈالنے کا وقت آیا ہے کہ اسلام نے تیس دن کے روزے کیوں قرار دیے اور کیا اس سے صرف روحانی ارتقار مقصود ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ واجبات جو اصطلاحی حیثیت سے عبادت قرار دیے گئے ہیں یعنی قصد قربت کی ضرورت ہے۔

ان سے روحانی ارتقار ضرور مقصود ہے۔ اگر فقط جسمانی فائدہ مدنظر ہوتا تو ان کا کسی نہ کسی طرح انجام پا جانا خواہ بغیر قصد قربت کے ہو ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے کافی ہوتا مگر قربۃً الی اللہ اس عمل کے بجا لانے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کو روحانی ترقی کے لیے بجالاتے ہیں مگر اسلام کے جتنے عبادات ہیں وہ صرف تصور و خیال

نماز ہی کو لیجیے کہ جو افضل عبادات ہے۔
اس کی ضروری شرط ہے طہارت مگر ایک ذرا پانی کے استعمال سے ضرر کا اندیشہ ہوا یا بیماری کا خوف پیدا ہوا اور فرض طہارت کا تبدیل ہوگیا غسل یا وضو کے بجائے تیمم کا حکم ہوا۔ یہ کس لیے؟ صرف مادی جسم کی صحت کی خاطر۔ خود نماز میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے غیر معمولی مشقت اور ناگواری ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں دشواری ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔

یہ سب مادی جسم کے راحت و آرام کا خیال نہیں تو کیا ہے۔ سفر میں قصر نماز کا حکم بھی صرف اسی بنیاد پر ہے۔ ظاہر ہے کہ روح میں سفر اور حضر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ سفر کی مادی مشقت ہی ہے جس کے لحاظ سے فرض کی مقدار میں تخفیف کر دی گئی۔
نماز کے شرائط میں سے لباس بھی ہے۔ ریشم کے کپڑے میں نماز مردوں کے لیے ممنوع قرار دی گئی ہے مگر جہاد کی حالت میں ریشمی لباس کی اجازت دی صرف جسمانی مصلحت سے اس لیے کہ ریشم زخم کے لیے نافع ہے۔

خود روزہ کا حکم جسے بہت زیادہ انسان کے مادی پہلو سے تغافل کا حامل بتلایا جا رہا ہے، اس میں کس قدر انسان کے حالات کی مراعات کی گئی ہے۔ اگر انسان مریض ہو اور اندیشۂ مضرت ہو تو روزہ کے فرض کو ساقط کر دیا گیا۔ اسی طرح ضعیف العمر لوگ جنھیں روزہ غیر معمولی طور پر شاق و ناگوار ہو۔ یا زن حاملہ اور مرضعہ ان سب کو اجازت دی گئی کہ وہ روزہ کو ان حالات میں ترک کر دیں۔ سفر کی حالت میں بھی روزہ کو ساقط کیا گیا۔ کیا یہ انسان کی مادی زندگی کا ہی لحاظ نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ کہنا بالکل حقیقت سے دور ہے کہ اسلام نے مادی زندگی کا کوئی

اُن کے درجہ کی بلندی کا سب سے زیادہ نمونہ جو عالم شہود میں پیش کیا گیا ، جس کا نام ہے معراج - وہ بحیثیت نبی نہیں بحیثیت رسول نہیں بلکہ صرف بحیثیت عبد تھا - اسی لیے ارشاد ہوا سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ -
اس احساس عبودیت کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑے گا اور جو عمل اس احساس کا پیدا کرنے والا ہو وہ انسان کی زندگی کی عملی اصلاح کا باعث ہے - ممکن ہے کہ کوئی عمل بذات خود جزئی حیثیت رکھتا ہو لیکن اگر اس نے انسان کے دل و دماغ کو اس احساس عبودیت کا مرکز بنا دیا تو نتیجہ اُس کا کلی ہوگا جیسا کہ ارشاد ہوا - ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر نماز بری باتوں سے باز رکھنے والی ہے یہ صرف اُس احساس و انفعال کی بنا پر جو نماز سے نفس انسان میں پیدا ہو سکتا ہے -
اب دیکھیے کہ روزہ کی منفعت بھی قرآن مجید نے کیا بتلائی ہے پڑھیے آیت صوم
یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون -
اے ایمان لانے والو تم پر روزہ رکھنا واجب قرار دیا گیا ہے
شاید کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو جائے ،، لفظی ترجمہ میں کہہ تو دیا میں نے ،،شاید،،
مگر اس شاید کا مطلب کیا ہے ؟ یاد رکھنا چاہیے کہ تمنّی ، ترجی ، استفہام اور تعجب کے الفاظ جب ہماری زبان پر جاری ہوتے ہیں تو وہ کچھ خاص طرح کے کیفیات کے مظہر ہوتے ہیں -
تمنا ایک ایسی شے کے مطلوب اور محبوب ہونے کا پتہ دیتی ہے جس کا حصول انسان کے قدرت اور اختیار سے باہر ہو - ترجی ایک ایسی شے کے وقوع کی امید یا گمان غالب کے اظہار کے لیے جس کا وقوع یقینی نہ ہو - اسی طرح استفہام و تعجب وغیرہ مگر جب ان الفاظ کا استعمال کلام الٰہی میں آئے تو وہ ان خصوصیات کے حامل نہیں ہو سکتے -

سے متعلق نہیں ہیں کہ اس میں اعضائے جسمانی کا کوئی تعلق نہ ہو بلکہ اُن میں حرکات و سکنات یا کیفیات بھی قرار دیے گئے ہیں جو جسم سے متعلق ہیں اور اس لیے روحانی ارتقار کے ساتھ اُن میں مادی فوائد بھی مضمر ہیں۔

روحانی ارتقار ادراک و معرفت سے پیدا ہوتا ہے اور شریف جذبات کے پیدا ہونے سے، اس کا تعلق اللہ سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے افراد نوع یعنی بندگان خدا سے بھی اور مادی فوائد انفرادی بھی ہو سکتے ہیں یعنی وہ جو تنہا اس کی ذات سے وابستہ ہیں اور اجتماعی بھی ہو سکتے ہیں یعنی جو دوسرے بنی نوع تک پہونچتے ہیں۔

اب دیکھیے کہ روزہ ان حیثیتوں سے کتنے فوائد کا حامل ہے۔

سب سے پہلی چیز ارتقائے روحانی جو احساس عبودیت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی عبادات کی اصل روح و حقیقت ہے اور اس سے انسان کو اپنے افعال و اعمال کی نگرانی کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو خالق کی رضامندی کے خلاف ہو ممکن کی انتہائی بلندی واجب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مرتبط ہونے میں ہے اور یہ ارتباط قوی ہوتا ہے۔ اپنی نیازمندی اور احتیاج کے اعتراف سے۔ جتنا اس کو اپنی حاجت مندی کا بارگاہ الٰہی میں زیادہ اقرار ہوگا اتنی ہی اُس کی نگاہ آرزو اُس کی جانب زیادہ مڑے گی اور دست توسل اُس کی طرف زیادہ بڑھے گا اور جس قدر دامانِ آرزو اس کا زیادہ پھیلے گا۔ اُسی قدر فیاض اور جواد مالک کی طرف سے عطا کی بارش زیادہ ہوگی۔ اسی اعتراف نیازمندی کا نام ہے احساس عبودیت اور اسی درجہ کے حصول کا نام عبدیت ہے۔ جس کی ترقی انسان کا طرۂ امتیاز بلکہ معراج کمال ہے یہاں تک کہ وہ ہستی جو کائنات کی ترقی کا آخری نقطۂ ظہور تھی۔ یعنی رسول اکرمؐ کی ذات

جب اول کو آخر کے ساتھ مرتبط کر کے دیکھیے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ روزہ واجب کیا گیا، اس لیے کہ وہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہونے کا مقتضی ہے۔

اب یہ ضمنی بات باقی رہ گئی کہ "شاید" کی لفظ کیوں صرف کی گئی حقیقت یہ ہے کہ عدم علم کبھی تو واقع سے ناواقفیت کا نتیجہ ہوتا ہے اور کبھی مقام اظہار میں عدم علم خود واقع کے تنوع اور اختلاف کا نتیجہ ہوتا ہے تشریح اس کی یہ ہے کہ روزہ یقیناً تقویٰ کا باعث اور مقتضی ہے مگر بعض لوگ روزہ کو ایسے موانع کے ساتھ بجا لاتے ہیں جو اس کا اثر مرتب نہیں ہونے دیتے بعض لوگ اس طرح انجام دیتے ہیں کہ اثر ناقص ہوتا ہے اور کم ایسے ہیں جو اس طرح بجا لائیں کہ اثر بالکل مکمل ہو جائے۔

خطاب خالق کا اگر فرد واحد سے ہوتا تو یقیناً وہ اپنے علم کی بنا پر ہر شخص کے متعلق روزہ کا جو نتیجہ ہوگا اُسے قطعی طور پر بیان کر دیتا۔ اسی طرح اگر مخاطب بہت سے افراد الگ الگ اپنے خصوصیات انفرادی کے تفصیلی لحاظ کے ساتھ ہوں تب بھی آسان ہے کہ ہر ایک کو الگ الگ اُس کا نتیجہ بتا دیا جائے لیکن جب کہ تمام عالم انسانی کو ایک عنوان عام کے ذریعہ سے مخاطب کیا جائے اور اس عنوان عام کے خصوصی افراد میں تنوع و اختلاف ہے تو ضروری ہے کہ مقام اظہار میں تردد اور احتمال کا پردہ پڑ جائے اس لیے نہیں کہ اس کا علم ناقص ہے بلکہ اس لیے کہ اس عنوان کے لحاظ سے کوئی معین نتیجہ خود حقیقت امر واقع میں نہیں ہے۔ وہ اگر یا ایہا الذین آمنوا کے الفاظ سے مخاطب کر رہا ہوتا کامل افراد انسانی مثلاً پنجتن محمد و آل محمد علیہم السلام کو تو اس وقت نتیجہ قطعی ہوتا کیونکہ اُن کا روزہ یقیناً اسی شان کا ہے جو تقویٰ کی صفت کا ضامن ہے لیکن جبکہ مخاطب تمام جماعت مومنین ہے جس میں کامل بھی ناقص بھی تو کیسے قطعی طور پر کہا جائے کہ تم روزہ رکھو گے تو تقویٰ کی صفت ضرور پیدا ہو گی۔ بے شک

وہ اگر تمنا کرے تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ اس شے کے حصول کا آرزومند ہے مگر یہ اُس کے بس سے باہر ہے وہ اگر امید کے الفاظ استعمال کرے تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ نتیجہ سے بے خبر ہے۔

معاذ اللہ۔ نہ اُس کی قدرت قاصر اور نہ اُس کا علم کوتاہ ہے۔ پھر یہ ہونا چاہیے؟ پس اس نقص کے شائبہ کو نظر رکھتے ہوئے جو اُن الفاظ کے مفہوم کا حاصل معنی ہو وہ خالق کے کلام سے ثابت رہے گا۔

جب وہ تمنا کے الفاظ کا استعمال کرے تو یہ سمجھ میں آئے گا کہ اس امر کا حصول اُس کو مدنظر اور مطلوب محبوب ہے۔ مگر اس کو کسی وجہ سے وہ خود اپنی جبری طاقت سے کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے وہ آرزو کی لفظ کا استعمال کرتا ہے۔ مثلاً کافروں کی نسبت ارشاد ہو کہ لیتھم یؤمنون "کاش یہ لوگ ایمان لے آئیں" اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لانا ان کا یقیناً خدا کو پسندیدہ اور مطلوب ہے مگر اپنی حکمت اور نظام عالم کی مصلحت کی مجبوری سے جو متقاضی ہے کہ بندوں کے افعال اُن سے اختیاری طور پر صادر ہوں وہ جبری طاقت سے سب کو ایمان کے راستے پر لانا بھی نہیں چاہتا اس لیے وہ تمنا کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یوں ہی اگر لعل کے لفظ کا استعمال ہو تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ اس شئے کے حصول کے لیے جو بعد میں مذکور ہے مقتضی موجود ہے۔ بے شک شرائط مفقود ہونے یا موانع پیدا ہونے کا امکان ہے اس لیے لعل کی لفظ صرف کی گئی۔ اب اگر یہ لعل کسی خاص امر کے حکم کے بعد آئے تو یہ مطلب ہوگا کہ وہ قبل دالا حکم اس بعد والے نتیجہ کا مقتضی اور باعث ہے۔

اب یہ آیت کہ کتب علیکم الصیام ــــــــ ـ ـ ـ ـ لعلکم تتقون

جیسے غصہ ور آدمی سے آدمی ڈرتا ہے کہ بات نہ کریں ورنہ پھاڑ کھائے گا۔ خدا تو وہ ہے کہ سبقت رحمتہ غضبہ اُس کی رحمت غضب کے آگے ہے وہ جابر ظالم ہرگز نہیں بلکہ جابر العظیم الکسیر ہے (ٹوٹی ہڈیوں کا جوڑ دینے والا)

پھر ڈرنا اُس سے کاہے کا حقیقت میں خدا سے انسان کو نہیں ڈرنا ہے بلکہ اپنے نفس سے ڈرنا ہے۔ اُن اعمال سے ڈرنا ہے کہ جو خداوند عالم کی مرضی کے خلاف ہوں اور جتنی خدا کی عظمت نگاہوں میں زیادہ ہوگی اتنا اپنے عمل کی کوتاہیوں کا اندیشہ زیادہ پیدا ہوگا۔ اسی کا نام ہے تقویٰ اور یہ نتیجہ ہوتا ہے قلب و دماغ کے متاثر ہونے کا عظمت الٰہی کا احساس سے جب یہ اثر انسان کے نفس پر قائم ہو جائے گا تو انسان کے تمام افعال و اعمال میں توازن اور اعتدال اور عمومی طور پر فرض شناسی کا ملکہ پیدا ہو جائے گا کیونکہ تمام افعال اگرچہ اعضاء انسانی کے اعتبار سے بٹے ہوئے ہیں اور جرائم بھی اسی لحاظ سے تقسیم ہیں۔ کچھ نگاہ کے گناہ ہیں۔ کچھ قوت سامعہ کے کچھ لامسہ کے۔ کچھ ہاتھوں کے اور کچھ پیروں کے لیکن جیسا حکما نے کہا ہے کہ النفس فی وحدتھا کل القوی نفس انسانی اپنی یکتائی کے ساتھ تمام قوتوں کا مجمع ہے جو طاقت نفس کو متاثر بنائے گی وہ بہ وقت واحد تمام قوائے عملی اور کل اعضاء جوارح پر اثر انداز ہو جائے گی اور جو شے نفس کو متاثر بنا دے وہ انسان کے تمام افعال اعمال میں فرض شناسی کا ملکہ پیدا کر دے گی جس کا دوسرا نام ہے تقویٰ۔ اسی لحاظ سے نماز کو کہا گیا ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر نماز بری باتوں اور گناہوں سے روکتی ہے اور اسی اعتبار سے روزہ کو تقویٰ کا سبب بتلایا گیا ہے کہ کتب علیکم الصیام ـــ ـــ لعلکم تتقون

یہ روزہ چونکہ مقتضی اور باعث اس کا ہے اس لیے بطور غلبہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد تقویٰ کی صفت پیدا ہونے کی امید ہے لیکن یہ تمھارا کام ہے کہ تم اس امید کو پورا ہونے دو۔ اور ایسے مواقع نہ پیدا کرو جو روزہ کی تاثیر کو نیست و نابود کردیں یا ناقص بنا دیں۔ اب دیکھیے کہ یہ تقویٰ کی صفت ہے کیا جسے مقصد و نتیجہ صوم قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ صفت اتنی بلند ہے کہ اسے عظمت انسانی کا معیار قرار دیا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم "تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ کی صفت رکھتا ہو" لوگ ترجمہ کرتے ہیں کہ جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔ مگر خدا سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے۔

یاد رکھیے کہ ڈرا جاتا ہے تین قسم کی چیزوں سے، ایک وہ کریہ المنظر چیزیں جو اپنی منافرت طبعی کے باعث ڈراونی ہوں جیسے غول بیابانی کا خیالی مجسمہ یا اس کی تصویر

دوسرے وہ جس کا سابقہ انسان کو نہ پڑا ہو اور پہلے پہل اس کا سابقہ ہو رہا ہو اس لیے طبیعت اس سے غیر مانوس ہے اور وحشت کرتی ہو۔

تیسرے وہ جو بمقتضائے طبیعت آزار رساں اور تکلیف دہ ہو جیسے زہریلے اور کاٹنے والے جانور یا پھاڑ کھانے والے درندے۔

اب دیکھیے کہ خدائے قدوس کی ذات میں کیا ان میں سے کوئی سبب بھی ڈرنے کا پایا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ڈراونا کیسا وہ تو جمال مطلق ہے اور انسان کا شروع سے کفیل و سرپرست ہے اسی کی نعمت و عطا میں انسان نے آنکھ کھولی اور ایک ایک نفس کی منزل طے کرتا عمر کے اس نقطہ تک پہونچا پھر اگر باپ ماں کے ساتھ انسان کو انس و محبت ہوتا ہے تو اس سے زیادہ انس و محبت اپنے پروردگار کے ساتھ ہونا چاہیے، نہ معاذ اللہ وہ آزار رساں ہے۔ اس کے جابر و قہار ہونے کے وہ معنی ہرگز نہیں جیسے بادشاہوں کو جابر و قاہر کہتے ہیں یا

ورزش کیسے کرسکتا ہے لیکن خود ورزش طاقت کا سبب بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک خاص درجہ تک قوت کا جسم میں ہونا ورزش کے لیے پہلے سے ضروری ہے لیکن ورزش کے ذریعہ سے اس قوت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یوں ہی ایک خاص درجہ کا خداوند عالم کا اعتقاد پہلے سے ضرور ہوگا جب انسان روزہ رکھے گا اسی لیے آیت صوم میں سرنامۂ حکم قرار دیا گیا ہے۔ یا ایہا الذین آمنو اگر ایمان ہی نہ ہوا تو روزہ کی حکم کی تعمیل بھی نہ ہوگی لیکن پھر روزے کے ذریعہ سے اس تصور اور احساس میں ترقی ہوتی رہے گی یہاں تک کہ وہ درجہ حاصل ہو جائے جو روزہ کے قبل ہرگز حاصل نہ تھا۔

اب ایک دوسرا پہلو ملاحظہ کیجئے۔ جتنے جرائم ہیں اُن کا سرچشمہ ہیں انسان کے رجحانات طبعی جن کا نام ہے جذبات، خواہ قوت غضبی کے ماتحت ہوں اور خواہ قوت شہوی کے ماتحت اور انسان کی انسانیت ان رجحانات طبعی پر قابو حاصل کرنے میں مضمر ہے۔ انسان وہ نہیں ہے جسے غصہ آئے ہی نہ غصہ تو انسان کے لیے ایک ضروری چیز ہے جس سے بہت سے قابل تعریف اقدامات بھی عمل میں آتے ہیں لیکن انسان وہ ہے جو غصہ کا بے محل استعمال نہ کرے انسان وہ نہیں ہے جس کی قوت شہویہ بالکل مردہ ہو یعنی خواہشوں کی جس میں پیدا وار ہی نہ ہو۔ ایسا شخص تو مریض ہے۔ انسان وہ ہے جو اپنی خواہشوں کو صحیح طور پر موقع محل کے دیکھنے کے ساتھ پورا کرے۔ انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے۔ کھانے کی خواہش حیوان کو بھی ہوتی ہے اور انسان کو بھی۔ مگر حیوان کو جب غذا کی خواہش ہوتی ہے تو وہ جس کا سبزہ زار ملے گا اُس میں چرنے لگے گا۔ اگر انسان بھی ایسا ہوا کہ بھوک لگی تو جس کا مال ملا کھا گیا تو اس میں اور بہائم میں کوئی فرق نہیں۔ غصہ انسان کو بھی آتا ہے اور حیوان کو بھی مگر حیوان کو جب غصہ آئے گا تو وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ سامنے چھوٹا بچہ ہے۔ یا

اب دیکھیے کہ روزہ کیونکر انسان کے نفس پر خداوندی عظمت کے اثر کو قائم کرتا ہے
بات یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ضروریات کو بہت کچھ سمجھتا ہے اور اسی درجہ ان سے
مرعوب ہے کہ وہ اپنے کو ان کے شکنجہ میں گرفتار پاتا ہے اور ان سے باز رہنا اپنے لیے انتہائی
دشوار، کھانے پینے اور ضروریات زندگی کا کیا ذکر غیر عقلی چیزیں جن کا انسان عادی ہو جاتا
ہے جیسے سگریٹ بیڑی حقہ، تمباکو وغیرہ ان کا انسان ایسا پابند ہو جاتا ہے کہ ان سے پرہیز
کے تصور سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے اور اس معاملہ میں ذرا کسی کی خاطر کم گوارا کر سکتا ہے۔ کوئی
آپ کا دوست، کوئی عزیز، کوئی قابل احترام فرد آپ سے کہے کہ دن بھر فاقہ کرو، سگریٹ نہ پیو
حقہ نہ پیو، تمباکو نہ کھاؤ، میں ہرگز نہیں سمجھتا کہ آپ اس بارے میں کسی کی خاطرداری گوارا کریں گے
مگر روزہ میں خالق کی غیبی طاقت کا دباؤ ہوتا ہے جس کے اثر سے آدمی ان تمام باتوں سے جو عام
طور سے اس کے ضروریات زندگی میں داخل ہیں باز رہتا ہے۔ انسان اس کے حکم کے مقابلہ میں
اپنے ضروریات کو ہیچ سمجھتا ہے اور اپنی تکلیف کو گوارا کر لیتا ہے۔ یاد رکھیے کہ اسی احساس کی
ترقی وہ ہے جو ایک وقت میں انسان کو میدان جہاد میں اپنی جان تک کی قربانی پر آمادہ کر سکتی
ہے صرف اس لیے کہ خالق کی عظمت اور اس کے حکم کی اہمیت کا احساس اتنا ہے کہ انسان اپنی
زندگی کو بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھنے لگا۔

بے شک یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ خود روزہ کا رکھنا اس احساس پر موقوف
ہے یعنی اگر انسان کے نفس میں خالق کی عظمت اور اس کی اہمیت کا اثر ہوا ہی نہ ہو تو وہ روزہ
رکھنے کی زحمت کیوں برداشت کرے گا۔ خود روزہ رکھنا اس احساس کا نتیجہ ہے پھر روزہ اس
احساس کے پیدا کرنے کا سبب کیسے سمجھا جاتا ہے مگر اس کا جواب بالکل آسان ہے۔ جس
طرح جسمانی ورزش، ظاہر ہے کہ وہ طاقت پر موقوف ہے۔ اگر طاقت ہو ہی نہ تو انسان

معنی یہ ہیں کہ انسان شکم پُری کی خواہش میں قابو سے باہر نہیں ہوا۔ اسی طرح لباس بہتر سے بہتر کپڑا پہنے مگر حریر محض نہ ہو۔ اب آپ کو اچھے سے اچھے کپڑے کی فکر دامن گیر ہے پھر بھی ایک کپڑا نظر آتا ہے جو مشکوک ہے۔ بہت عمدہ کپڑا ہے، دل تڑپا دیتا ہے مگر آپ اس کی خریداری سے کنارہ کشی کرتے ہیں اس لیے کہ وہ شرع کے خلاف ہے۔

انتہا ہے کہ جیسا میں نے دوسرے موقعوں پر کہا ہے وہ خالص مادی خواہشیں جو بہت کم انسان اور حیوان میں فرق باقی رکھتی ہیں اُن کا تقاضا شدید ہے اور اسباب سب مجتمع، موانع سب برطرف، دونوں دل راضی پھر بھی ایک پابند شرع انسان کو خیال آتا ہے کہ جب تک وہ خاص الفاظ جن کا نام ہے صیغۂ عقد زبان پر جاری نہ ہو جائیں اُس وقت تک یہ حرام ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جذبات نفس کے اس تلاطم میں بھی انسان قابو سے باہر نہیں ہوا اور اُسے فرض کا احساس قائم ہے۔

یہ تمام صورتیں انسان کو اپنی خواہشوں پر قابو رکھنے ہی کے لیے تھیں مگر یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو مستقل طور پر ناجائز ہیں، ایک انسان جس نے تربیت اچھی پائی ہے جو کبھی ان اشیاء کے قریب نہیں گیا۔ اس لیے اُسے اُن کی طلب بھی نہیں ہے بلکہ نفس میں اکثر ایک طرح کی نفرت اُن چیزوں سے مرتکز ہو گئی ہے، وہ لاکھ شراب کے دلآویز تذکرے سُنے مگر اس کا دل کبھی اس طرف مائل نہیں ہوتا اس لیے کہ کبھی پی ہی نہیں وہ ڈاکٹروں کی زبانی سور کے گوشت کے فائدے سُنتا ہے مگر کبھی رغبت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی اس کے استعمال کی دعوت دے تو ایک تنفض سا پیدا ہوگا یوں ہی تمام معاصی جن سے مستقل طور پر یہ علیحدہ رہا ہے اُن کی آرزو بھی اس میں باقی نہیں رہی ہے۔ قدرت نے چاہا کہ ایک ایسا موقع بھی آجائے جب وہ ہی حلال اور جائز خواہشیں جنھیں انسان پورا کرتا ہے ایک مسلسل محدود زمانہ تک جو کافی طولانی بھی ہے روک دی جائیں۔

ضعیف العمر یا حیوان اُسے حملہ کر دینے سے مطلب ہوگا۔ اگر انسان نے بھی غصہ کے وقت موقع اور محل کی کوئی تمیز نہ کی تو اُس میں اور درندہ میں کیا فرق ہے۔ نہیں ہرگز نہیں، انسان وہ ہے جو اپنے غیظ و غضب اور شہوت، اپنے تمام رجحانات اور خواہشوں پر خود تسلط قائم کرے اور قابو رکھے۔ انسان کی انسانیت اسی سے شروع ہوتی ہے اور یہی پر ختم۔ اسلامی شریعت کے احکام تمام تر انسان کے اسی جوہر کو ترقی دینے والے ہیں اس نے ایسے ذرائع اختیار کیے ہیں کہ انسان کو اپنی خواہشوں پر زیادہ سے زیادہ قابو حاصل کرنے کا ملکہ حاصل ہو جائے اس کے لیے اس نے مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ جس طرح ورزش جسمانی میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جسم کو مختلف پہلوؤں کی طرف بار بار موڑا جاتا ہے اور ایک ہی وزن کو مختلف صورتوں سے اٹھایا جاتا ہے اور مختلف طرح گردش دی جاتی ہے صرف اس لیے کہ جسم میں لوچ پیدا ہو اور ارادہ کے ماتحت جس طرح کی حرکت کی ضرورت ہے اور جس طرح کا وزن جس صورت پر اٹھانا ہو اُس کی صلاحیت پیدا ہو۔ اسی طرح اسلام نے انسان کے نفس کی ریاضت کی ہے اور مختلف صورتوں سے اُس کو اپنی خواہشوں سے مقابلہ کرنے کی مشق کرائی ہے۔ سب سے پہلی صورت یہ تھی کہ مختلف طرح کے لذائذ میں اُس نے کسی کے استعمال کا نوعی طور پر سدباب نہیں کیا۔ اگر اس نے پہلے ہی سے رہبانیت کی زندگی کی تلقین کی ہوتی اور لذات دنیا سے علیحدہ ہی کر دیا ہوتا تو پھر بھی آسان تھا۔ انسان کے جذبات مردہ ہو جاتے اور ذوق طلب پیدا ہی نہ ہوتا مگر اُس نے طعام کی جنس میں لذیذ سے لذیذ غذاؤں کی اجازت دی اور اس طرح انسان کے کام و دہن کی حوصلہ افزائی کی۔ پھر بھی یہ کہدیا کہ خبردار حیوان وہ ہو جو ماکول اللحم اور ذبیحہ ہو۔ اس طرح انسان میں فرض شناسی کا جذبہ بیدار رہا اب انتہائی لذیذ گوشت سامنے موجود ہے مگر یہ علم ہو اکہ وہ ذبیحہ نہیں اور انسان نے منھ موڑا۔ اس کے

اور بھوک کی تکلیف سے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہے۔ اگر وہ فاضل حصہ غذا کا جو دولت مند نے بلا ضرورت کھا لیا اس غریب کو مل جاتا تو دونوں اس تکلیف سے محفوظ رہتے نہ اس امیر کو دردِ شکم کی زحمت ہوتی نہ اس غریب کو بھوک کی تکلیف برداشت کرنا پڑتی۔

شریعت نے چاہا کہ ہر سال ایک ایسا موقع بھی آ جائے جب مستقل طور پر کچھ عرصہ کے لیے امیروں کو بھی بھوک کی تکلیف کا احساس ہو جائے اور غریبوں کی تکلیف کی قدر ہو اور اس طرح اُن کی خبرگیری کرنا اختیار کریں۔

یہ روحانی فوائد کا شعبہ تھا۔ اب رہے مادی فائدے۔ وہ میں نے کہا دو قسم کے ہیں ایک وہ جو خود اس شخص کی ذات کو پہونچ سکتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اجتماعی حیثیت رکھتے ہیں یعنی نوع کو پہونچ سکتے ہیں۔

مادی فائدہ سب سے پہلا یہ ہے کہ انسان کے جسم کے اکثر اخلاط فاسدہ اور مواد ردیہ جو احشاء و امعاء میں مجتمع ہو گئے ہیں وہ روزہ کے سبب سے تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اطبا سے دریافت کیجئے فاقہ اکثر امراض کا مستقل علاج ہے اور بہت سی صورتوں میں نافع ہے۔

دوسرے یہ کہ معدہ جو ام الامراض ہے اور اس لیے سرچشمۂ صحت ہے اس کے اعتدال کو قائم کرنے کے لیے گیارہ مہینے تک جو مشین چلتی رہتی ہے اُسے ایک ماہ تک کسی حد تک راحت لینے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر بے اعتدالی سے کام نہ لیا جائے تو تجربہ بتلاتا ہے کہ ماہ صیام کے بعد معدہ میں از سر نو ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا نظام نسبت پہلے کے بہت درست ہو جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ انسان کو محنت و مشقت کی عادت پڑتی ہے اور قوت برداشت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح اس میں جہد للبقا کے مختلف حالات سے گزرنے کی صلاحیت پیدا

یہ ہے زینت آزمائش، شراب پینا آسان ہے مگر گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت جب تھوڑا سا راستہ چل کر دھوپ میں آئے بھی ہوں ٹھنڈا پانی سامنے کورے گھڑے میں رکھا دیکھتے ہوئے اُس پانی کی طرف رخ نہ کریں۔ بھوک کی شدت ہے اور روزہ کے اتار کا وقت۔ مگر کھانے کی طرف توجہ نہ ہو۔ دل اگا یا ساعت شماری کیسی دقیقہ شماری ہو رہی ہے۔ مگر یہ دقیقہ شماری بھی فرض شناسی کا نتیجہ ہے اور دوسری طرح کی بھی مادی خواہشوں کے اسباب مجتمع ہوں مگر فرض سد راہ ہو گرم وقت میں خوشگوار حوض کے پانی میں اتریں اور دل چاہے کہ غوطے پر غوطہ لگائیں مگر احساس فرض مانع ہو۔

یہ وہ چیز ہے جس سے انسان کی ہر خواہش اس کے قابو میں نظر آتی ہے اور تکرار عمل اور استمرار سے یہ ملکہ کی حیثیت حاصل کر لیتی ہے اور انسان اُس انسانیت کے جوہر میں ترقی کرتا ہے جو اُس کا طرۂ امتیاز ہے

اس کے علاوہ روزہ سے ایک اور شریف احساس انسان میں پیدا ہوتا ہے اور وہ غریبوں کی تکلیف اور اُن کے دکھ درد کی قدر ہے مال دار اور صاحب ثروت لوگ جنھیں ہر طرح کے ذرائع حاصل ہیں اُنھیں کبھی بھوک کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا اور اس لیے غریبوں کی قدر نہیں کرتے انھیں کبھی تکلیف بھی ہوئی تو سوئے ہضم اور خرابی معدہ کی۔ جبران خلیل جبران عرب کا ممتاز انشا پرداز تھا۔ اس نے ایک تمثیلی قصہ میں اس حقیقت کو یوں ظاہر کیا ہے کہ میں راستے سے گزر رہا تھا ایک دولت مند کو دیکھا پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے معلوم ہوا رات کو کھانا زیادہ کھا لیا۔ زیادتی غذا کی وجہ سے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔

آگے بڑھ کر ایک غریب کو دیکھا پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے۔ معلوم ہوا یہ فاقہ سے ہے

کے حکم کا کیا سبب ہے؟ حضرت نے فرمایا روزہ واجب قرار دیا گیا تاکہ ایک وقت اس کا بھی ہو جس میں مالدار اور فقیر برابر نظر آئیں بات یہ ہے کہ مالدار آدمی بھلا کہ کو بھی بھوک کی تکلیف کا احساس کرتا کہ فقیر پر رحم کرے کیونکہ مالدار جب کسی چیز کو چاہتا ہے تو وہ مہیا ہو جاتی ہے خداوند عالم نے چاہا کہ اپنی خلق میں مساوات قائم کرے اور مالدار کو بھوک کی تکلیف کا مزا چکھاوے تاکہ وہ کمزور پر نرم دل ہو اور بھوکے پر ترس کھائے۔ یہ وہ روحانی فائدہ ہے جو خلق خدا کے لحاظ سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲) زرارہ کی روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل شدہ: "زکوۃ وزکوۃ الاجسام الصیام" ہر شے کے لیے ایک پاک کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور جسم کو اخلاط فاسدہ سے پاک کرنے کا ذریعہ روزہ ہے۔

یہ وہ پہلا مادی فائدہ ہے جو انفرادی زندگی سے تعلق میں نے عرض کیا تھا۔

(۳) محمد بن سنان کی روایت امام رضا علیہ السلام سے جو تحریری مسائل انھوں نے دریافت کیے تھے اُس کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

علۃ الصوم لعرفان مس الجوع والعطش لیکون العبد ذلیلا مستکینا ماجورا محتسبا صابرا ویکون دلیلا لہ علی شدائد الآخرۃ مع ما فیہ من الانکسار لہ عن الشہوات واعظا لہ فی العاجل دلیلا علی الآجل لیعلم شدۃ مبلغ ذلک من اہل الفقر والمسکنۃ فی الدنیا والآخرۃ روزہ کا سبب یہ ہے کہ انسان بھوک پیاس کی تکلیف سے واقف ہو تاکہ اس کے نفس میں جھکاؤ اور فروتنی پیدا ہو یعنی انسان میں قوت اور طاقت اور اقتدار کا جو غرور ہو وہ یہ دیکھ کر کہ ایک فاقہ میں اس کی کیا حالت ہو گئی فنا کم ہو اور وہ مستحق اجر و ثواب بنے اور اُس میں تکلیف کے برداشت کا ملکہ پیدا ہو اور

ہوتی ہے۔ سپاہیوں کی فوجی تربیت کا انداز یہی ہوتا ہے کہ انھیں مختلف سفر و گرم حالات کا مقابلہ کرایا جائے اور اُن کو مشکلات کی مقاومت پر تیار کیا جائے۔

اجتماعی فائدہ جو روزہ سے حاصل ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان اگر اُس کی آمدنی ضروری مصارف سے زائد نہیں ہے اکثر قومی اور مذہبی کاموں میں حصہ لینے یا دوسرے لوگوں کی خبر گیری کا حوصلہ رکھتا ہے مگر اپنے اور اپنے متعلقین کے کھانے کے مصارف سے اُس کو کچھ بچتا ہی نہیں۔ مصلحین قوم اکثر ایسے مقاصد کے لیے مہینہ میں ایک بار ترک لذّات یا ہفتہ میں ایک دن گوشت نہ کھانے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

شریعت نے روزہ کا جو حکم دیا ہے اُس میں انسان اگر خواہ مخواہ کے لذّات کام و دہن کے پورا کرنے کا خیال نہ کرے اور صحیح طور پر عمل کرے تو ایک مہینے میں ہر انسان کے مصارف میں سے ایک وقت کے کھانے کے صرف کا بڑا حصہ پس انداز ہوسکتا ہے اور تمام قوم کا اگر یہ روزوں کا پس انداز کردہ حصہ جمع ہو تو بڑے بڑے ضروری مذہبی و قومی امور اس سے انجام پاسکتے ہیں۔

ائمہ معصومین علیہم السلام نے اُن میں سے اکثر فوائد پر اپنے بصیرت افروز بیانات میں اپنی معجز نما الفاظ سے روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں یہ احادیث درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) عن ھشام بن الحکم انہ سأل اباعبد اللّٰہؑ عن علّۃ الصیام فقال انّما فرض اللّٰہ الصیام لیستوی بہ الغنی والفقیر و ذلک انّ الغنی لم یکن لیجد مسّ الجوع فیرحم الفقیر لانّ الغنی کلّما اراد شیئا قدر علیہ فاراد اللّٰہ تعالٰی ان یسوی بین خلقہ وان یذیق الغنی مس الجوع والالم لیرق علی الضعیف و یرحم الجائع۔

" ہشام بن الحکم کی روایت ہے، انھوں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ روزہ

بھی ہوتو اُس میں بلندی پیدا ہوگی مگر اسلام نے اس طرح کی روزہ کی اجازت نہیں دی
اُس کا روزہ صبح سے مغرب تک کی مدت سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

سفر میں روزہ کے ترک کا حکم

یہ بھی روزہ کے حکم کے ساتھ مادی پہلو کا لحاظ ہی ہے کہ شریعت نے مسافر کی حالت
میں جس طرح نماز کی چار رکعت کے بجائے دو رکعت رکھی ہے اُسی طرح روزہ کے ترک کرنے
کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کو جتنا اطمینان اور خاطر جمعی، راحت اور آرام گھر پہ ہوتا ہے
وہ سفر میں ہرگز نہیں ہوتا۔ اس بنا پر شارع مقدس نے انسان سے روزہ کی تکلیف کو اس
حالت میں ساقط کر دیا۔

بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ یہ حکم قصر نماز اور ترک صوم کا اُس زمانہ میں صحیح تھا کہ
جب سفر انتہائی دشوار گزار اور سخت تھا۔

اونٹ کا سفر اور ناہموار منزلیں اور سختی و صعوبت۔ اُس زمانہ میں اس مراعات کی
ضرورت تھی لیکن اب جب کہ ریل اور موٹر کے سفر نے رستوں کو آسان کر دیا ہے اور اکثر سکنڈ
کلاس یا فرسٹ کلاس تک میں سفر کی نوبت آتی ہے تو اس حالت میں اس مراعات کی کوئی ضرورت
نہیں ہے۔ مگر یہ خیال درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس قدیم زمانہ کے سفر کی زندگی
کا اپنی روزمرہ کی شہری زندگی کے لحاظ سے موازنہ کرتے ہیں تو وہ انتہائی دشوار نظر آتا ہے
اور اُس کے لحاظ سے اپنا سفر کچھ بھی نہیں محسوس ہوتا لیکن اگر اُس زمانہ کے لوگوں کی سفر کی
زندگی کا اُن کی روزمرہ کی حضر کی زندگی سے موازنہ کریں اور اپنے سفر کو اپنے حضر کی
اطمینانی زندگی کے لحاظ سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اُن کا سفر اُن کے حضر کے لحاظ سے وہی

یہ دنیا ہو آخرت کی کھیتی ہے یعنی وہ سمجھے کہ جب دنیا کی ذرا سی تکلیف میں میرا یہ عالم ہے تو آخرت کی کڑی کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس میں نفسانی خواہشوں کو شکست دینا بھی مسلم ہے اس میں دنیا میں نصیحت حاصل ہوتی اور آخرت کے لیے رہنمائی تاکہ اس کو دنیا و آخرت دونوں کے فقر و فاقہ کی کیفیت کا اندازہ ہو۔ دنیا کے فقر و فاقہ کا احساس ہوگا تو غریبوں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوگی اور آخرت کے فقر کے خیال سے اپنے لیے توشہ آخرت مہیا کرنے کی فکر ہوگی۔

اس حدیث میں متعدد ان پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی تشریح سابق میں ہو چکی (۳) فضل بن شاذان کی روایت میں جو امام رضا سے۔ علاوہ ان تمام امور کے یہ فقرہ بھی ہے کہ تکون ذلک واعظا لھم فی العاجل ورائضا لھم علی اداء ما کلفھم "ان کے لیے نصیحت کا باعث ہوتا ہے اور ایک طرح کی ریاضت یعنی تیاری کی مشق ہے ان فرائض کے ادا کرنے کے لیے جو اس کے ذمہ واجب الادا ہیں" یہ روحانی ارتقا کا وہ اہم پہلو ہے جسے مبسوط بیان کے ساتھ پہلے پیش کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ روزہ میں روحانی فوائد ہیں اور مادی فوائد بھی اور یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اسلام نے روحانیت کی دھن میں مادیت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

صوم وصال

اگر اسلام نے مادی پہلو کو روزہ کے باب میں نظر انداز کیا ہوتا تو صوم وصال کی اجازت دے دیتا۔ صوم وصال کیا ہے؟ دو دن یا اس سے زیادہ کا روزہ اس طرح کہ درمیان میں افطار نہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں تعب نفس بہت زیادہ ہوگا اور اگر روحانی زندگی کا معیار

اس سوال کے کرتے وقت انسان تصور کرتا ہے اُس زندگی کا جو مزدور بسر کرتے ہیں جن میں اُن کو دھوپ میں چلنا پھرنا اور کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ انجن میں کوئلہ دینا یا بوجھا اُٹھانا پڑتا ہے۔ اس سب کا تصور کرتا ہے اپنی راحت پسند اور آرام طلب طبیعت کے لحاظ سے اور اس بنا پر خیال کرتا ہے کہ وہ بڑا سخت کام ہے اور اُس کے ساتھ روزہ ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس پیشہ کو اختیار کر لیتا ہے اور اُس کو اپنے نظام زندگی کا جزو بنا لیتا ہے تو اُس کی قوت برداشت اُسی کے لحاظ سے بڑھ جاتی ہے۔ ہم جس وقت مئی جون کی گرمی میں کاریگروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دھوپ میں کھڑے دیوارا اٹھا رہے ہیں یا مزدور اینٹیں ڈھو ڈھو کر بارڈھکا اوپر پہونچا رہے ہیں تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اگر ایک دفعہ اس سے آدھا بوجھا بھی اتنی دُور لے جائیں یا تھوڑی دیر ہی اس دھوپ میں کھڑے ہوں تو ہماری پیاس کا التہاب انتہا کو پہونچ جائے اور ہم فوراً بیتاب ہو کر ٹھنڈے پانی کی طرف لپک جائیں مگر کیا یہ لوگ اس دھوپ میں کھڑے ہو کر اور اس بوجھے کو اٹھا کر اسی طرح بار بار پانی پیتے ہیں جس کی ہمیں اس موقع پر ضرورت کا احساس ہوتا ہے ہرگز نہیں وہ پانی اسی طرح دن میں چند بار پیتے ہیں جس طرح گرمی کے موسم میں ہم پیتے ہیں اس لیے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ روزہ کسی صورت سے رکھ ہی نہیں سکتے جس طرح ہمیں اتفاق سے اگر ایسی غیر معمولی مشقت پڑ جائے تو ہم روزہ نہ رکھ سکیں گے۔ اور اگر اُنھوں نے روزہ رکھا اور روزہ سے بالفرض صحت پر اثر پڑنے لگا تو اُن پر سے اُس موقع پر روزہ کی تکلیف ساقط ہو جائے گی۔ اُسی طرح جس طرح ہمیں اگر اندیشۂ مرض پیدا ہو جائے تو روزہ کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اس صورت میں اقتصادی بدحالی اور مالی مشکلات کیا پیدا ہو سکتے ہیں؟ یہ تو جب پیدا ہوتے جب اُنھیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اگر صحت پر بُرا اثر

نسبت رکھتا تھا جو ہمارے سفر کو نسبت ہمارے حضر کے ساتھ ہی۔ اس لیے اگر اُن کے نظام عادت اور قوت برداشت کے لحاظ سے اُن کا سفر اس مراعات کا مستحق ہی تو ہماری یہ آسام حضری زندگی کے لحاظ سے ہمارے سفر کو اس کا مستحق ہونا چاہیے اس کے علاوہ یہ دیکھیے کہ جس طرح ہمارے زمانہ کے لحاظ سے ہمارے سفر کا معیار مختلف ہی اور تھرڈ سکنڈ فرسٹ کے درجے ہیں اُسی طرح سابق زمانہ کے طرز سفر کے لحاظ سے اُس زمانہ میں بھی اسی طرح مختلف درجے ضرور رہتے تھے امرا اور ارباب دولت یقیناً اس طرح سفر کرتے تھے جو اُس زمانہ کی زندگی کے لحاظ سے بالکل پر آرام سمجھا جاتا ہوگا اگر فی الحقیقت سفر میں غیر معمولی مشقت کے لحاظ سے ہوتا تو اُس میں یہ تفریق ہونا چاہیے تھی کہ غریب لوگ جو زحمت و مشقت کے ساتھ سفر کریں وہ اس مراعات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن امیر لوگ جو راحت و آرام سے سفر کرتے ہیں وہ اس کے مستحق نہیں ہیں۔ جب ایسا نہیں کیا گیا اور عمومی طور پر یہ حکم نافذ کر دیا گیا تو اس سے ثابت ہوتا ہی کہ اس میں کسی غیر معمولی مشقت کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ حکم اُس ذاتی ناگواری اور بے اطمینانی کے لحاظ سے نافذ کیا گیا ہی جو سفر کا طبعی نتیجہ ہی۔

اب اس سے بڑھ کر انسان کی مادی زندگی کا لحاظ اور کیا ہوگا؟

کاروباری زندگی پر روزہ کا اثر

اعتراض ہی کہ "ایک بھوکا پیاسا شخص نہ تو دن بھر کام کر سکتا ہی۔ اور نہ اُس کو کام کرنا چاہیے کیونکہ اگر اس نے کوئی سخت جسمانی محنت کی تو اس کا اثر اس کی صحت پر پڑنا یقینی ہی۔ لیکن ایک غریب مزدور ایسا کرنے سے قاصر رہا تو نتیجہ اس کی اقتصادی حالت اور مالی مشکلات ہوں گے"

سلطنت کا قانون مذہب کے سامنے سپر انداختہ ہوتا ہے اور شکست کھا جاتا ہے کیونکہ قانون سلطنت صرف اجتماعی اور خارجی زندگی پر پابندیاں عائد کرتا ہے اور اس کا دباؤ مادی اسباب کا رہین منت ہے لیکن مذہب کا قانون براہ راست دل و دماغ اور ضمیر پر قبضہ کر کے انسان کو اس کی تنہائی کی زندگی اور ذاتی عادات و اعمال میں پابند بنا لیتا ہے۔ اس پابندی کے احساس قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مذہب کی جانب سے کچھ دباؤ طبیعت پر بطور ایک فرض کے عائد ہوتا رہے اور اس کے ساتھ اس میں ہم رنگی و یک جہتی ہو تاکہ افراد جماعت اس کے ذریعہ سے ایک رشتہ میں منسلک نظر آئیں۔ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ہر شعبہ میں اس احساس فرض کے قائم کرنے اور ہم رنگی و یک جہتی پیدا کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ نماز کے بیان میں قبلہ اور وقت وغیرہ کے باب میں اس پر کافی تبصرہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا صورتیں ان خصوصی مقاصد کے اعتبار سے بالکل ناکام ہیں۔ پہلی صورت کہ کوئی تعداد روزوں کی مقرر نہ ہوتی تمام حیثیتوں سے ناقص اور ناقابل قبول ہے۔ اول تو اس میں فرض کا احساس جس کے لیے طبیعت پر ایک دباؤ پڑنے کی ضرورت ہے پایا نہیں جاتا۔ جب معاملہ ہمارے طاقت و اختیار سے وابستہ ہو گیا تو ظاہر ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کم سے کم مقدار اپنے ذمہ واجب الادا قرار دے گا۔ اس صورت میں ضبط و نظام بھی قائم نہیں ہوتا اور جماعت کی ہم آہنگی بھی قائم نہیں رہتی کیونکہ کوئی رکھ رہا ہے سال میں دس دن اور کوئی پانچ دن اور کوئی ایک دن۔

یہ تو کوئی قانونی پابندی نہیں ہوئی بلکہ ایک خوشی کا سودا ہوا اس سے وہ روحانی اور مادی فوائد ہرگز پیدا نہیں ہو سکتے جو تشریح صوم کے اصلی مقاصد ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تعداد مقرر ہوتی مگر کیفیت معین نہ ہوتی۔ اس میں تعداد کے مقرر ہونے سے فرض کی شان تو پیدا ہو گئی مگر کیفیت معین نہ ہونے کی وجہ سے ضبط و نظام نہیں

پڑنے لگے تو وہ روزہ رکھے جائیں مگر اپنا کام ترک کر دیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

مدت صیام

روزہ کے وجوب کو قرآن مجید نے مخصوص زمانہ کے ساتھ محدود کیا ہے شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینات من الھدی والفرقان

ہم خصوصیت سے اسی مہینہ کی تعیین کے متعلق تو عقلی حیثیت سے کچھ نہیں سمجھ سکتے اور اس سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ بہرحال یہ مہینہ نہ ہوتا تو کوئی اور مہینہ ہوتا لیکن سوال یہ ہے کہ کسی ایک مہینہ کی تعیین کی ضرورت کیا ہے۔

اس کے لیے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ روزہ کے وجوب کے لیے کتنی صورتیں خیال میں آتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کے لیے نہ کوئی زمانہ خاص ہوتا اور نہ کوئی تعداد مقرر ہوتی بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ جس کو جتنی قدرت ہو اور جتنا دل چاہے اتنے روزے رکھ لے دوسری صورت یہ ہے کہ تعداد مقرر ہوتی مگر کوئی کیفیت مقرر نہ ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ اختیار دیا جاتا کہ سال بھر میں اتنے روزے پورے ہو جائیں۔ خواہ ایک ساتھ اور خواہ جدا جدا تیسری صورت یہ ہے کہ تعداد بھی مقرر ہوتی اور کیفیت بھی معین ہوتی کہ ایک ماہ مسلسل روزہ ہونا چاہیے مگر زمانہ نہ مقرر ہوتا بلکہ اختیار ہوتا کہ جب چاہو رکھ لو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ صورتیں کہاں تک مقصد تشریع کے مطابق ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ خاص مقصد قانون کا ضبط و نظام ہوا کرتا ہے اور اس ضبط و نظام کے ساتھ پھر یہ کہ فرض کا احساس قائم رہے۔ مذہب کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی انفرادی زندگی میں مداخلت کرتا ہے۔ اور پابندیاں عائد کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس میں

جو پہلے ذکر کی گئی ہیں یعنی اس میں فرض کا احساس بھی قائم رہتا ہے۔ ضابطہ نظام بھی ہے اور ہم آہنگی و یک جہتی بھی۔ مگر اس میں ایک بہت بڑی خرابی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر چیز جو فرض ہی وقت میں بار بار عود کرے اور وہ ایسی ہوتی رہے طبیعت اس کی عادی ہو جاتی ہے اور پھر اس کا مطلوبہ اثر حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ہفتہ میں ایک بار روزہ کا حکم دیا جاتا تو شروع میں کچھ دن تو اس سے خون کی اصلاح معدہ کی اصلاح اور سسٹم کی اصلاح ہوتی لیکن کچھ دن کے بعد جب طبیعت اس کی عادی ہو جاتی تو وہ ان مقاصد کے لیے ناکامیاب ثابت ہونے لگتی۔ اب ضرورت ہوتی ہفتہ میں دو دن فاقہ کرنے کی اور یوں ہی اس میں اضافہ ہوتا رہتا یہاں تک کہ انسان اپنے معدہ کی خرابی کی وجہ سے پریشان ہو جاتا۔ لیکن امتداد وقت اور طویل مدت کے ساتھ اگر تکرار ہو تو طبیعت سے چونکہ پہلا اثر وقت کے طولانی ہو جانے سے ضعیف ہو جاتا ہے اس لیے دوبارہ پھر ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسا پہلے ہوتا تھا۔ گیارہ مہینہ کا کام لیا ہوا معدہ جب ایک مہینہ تک راحت لیتا ہے اور اس سے کام کرایا جاتا ہے۔ تو وہ ایک نئی زندگی اور روح سے معمور ہو جاتا ہے اور اس سے جسمانی نظام پھر ویسا ہی اچھا اثر پڑتا ہے گویا از سر نو اس کی تجدید ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جو روحانی فوائد میں روزہ کے وہ بھی اس میں حاصل نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر ہفتہ میں ایک بار اس کی عادی ہو جانے کے بعد طبیعت اس میں کوئی کلفت اور ناگواری محسوس نہ کرے گی اور وہ اتوار یا جمعہ کی تعطیل کے مثل ہر ہفتہ میں ایک رسمی چیز بن جائے گی۔

اس کے علاوہ یہ تسلیم کرنے کی صورت میں کہ روزہ سے انسان کے کاروبار اور دماغی کاموں میں کمی ہو جاتی ہے تو موجودہ حالت میں اس کمی کا معاوضہ گیارہ مہینہ کی مسلسل جدوجہد سے ہو سکتا ہے لیکن اگر ہر ہفتہ میں ایک دن کا تعطیل جیسا روزہ کہا گیا ہوتا جیسا تجویز کیا جا رہا ہے تو پھر یہ کوئی کام

اور افراد کی ہم آہنگی نہیں۔ اب کوئی ایک ساتھ رکھ رہا ہے۔ کوئی الگ الگ۔ کوئی ایک وقت میں۔ کوئی دوسرے وقت میں۔

تیسری صورت کہ کیفیت معین ہوتی مگر زمانہ نہ مقرر ہوتا۔ اس میں بھی یہ دونوں جوہر مفقود ہیں۔ نہ ضبط و نظام ہے۔ نہ افراد کی یک جہتی۔ اب سب ۳۰ ہی دن کے روزے رکھ رہے ہیں مگر کوئی شعبان میں، کوئی شوال میں کوئی اور زمانہ میں۔

اس میں وہ اجتماعی شان کہاں جو اب ماہ رمضان میں پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

مثل مشہور ہے البلیۃ اذا عمت طابت "مرگ انبوہ جشنے دارد" اس اجتماعی شان کی وجہ سے روزہ کا فرض باوجود ناخوشگوار ہونے کے خوشگوار ہو جاتا ہے اس لیے کہ سب ایک رنگ میں ہیں بلکہ ترک صوم ناخوشگوار بن جاتا ہے اور کسی دوسرے زمانہ میں جو قضا وغیرہ کا روزہ رکھا جاتا ہے وہ اتنا طبیعت پر گراں گزرتا ہے جس کو رکھنے والوں کا دل جانتا ہے۔ صرف اس وحشت اور پریشانی کی وجہ سے جو اکیلے ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اب اس سوال پر نظر ڈالیے جو بطور اعتراض آپ کے سامنے پیش ہو وہ یہ کہ۔

"میں تسلیم کرتا ہوں کہ روزہ مادی نقطۂ نظر سے بھی مفید چیز ہے اور طبی لحاظ سے بھی۔ لیکن ایک ماہ کے روزہ کا نکتہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر ہفتہ میں صرف ایک روزہ کا فائدہ ہو تو انسان آسانی سے اپنے روزمرہ کی کاروائیاں جاری رکھ سکتا ہے کیونکہ ایک روز کا روزہ تو بہت تھوڑی اصلاح۔ معدہ کی اصلاح اور سسٹم کی اصلاح کر سکتا ہے لیکن ایک ماہ کا مسلسل روزہ ہم کو دماغی اور جسمانی طور پر کمزور کر دیتا ہے۔"

یہ ایک چوتھی صورت ہے جو پیش کی گئی ہے۔ اور یہ ان تمام خرابیوں سے پاک ہے

لیے جن کی آمدنی اُن کے مصارف روزمرہ کے برابر ہے بس اندازکرنے کا ذریعہ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں میں اقتصادی شعور پیدا ہی نہیں ہوا ہے یہ تو روپیہ صرف کرنے کے بہانے ڈھونڈھتے ہیں اس لیے کوئی چیز کتنی ہی ان کے لیے اقتصادی طور پر نفع رساں ہو وہ بھی ان کی ذہنیت کی بدولت اقتصادی حیثیت سے مضر ہو جاتی ہے۔ اس میں اصل اُس شئے کا قصور نہیں بلکہ ان کی غلط ذہنیت اور غلط طرزعمل کا قصور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمان مجبور ہیں کیونکہ ایسا نہ کریں تو ان کی صحت قائم نہیں رہ سکتی بدقسمتی سے یہ بھی غلط ہے مسلمانوں کا اسراف اپنی صحت کی بقا کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اکثر ایسی غذاؤں کا استعمال کیا جاتا ہے جو صحت کے لیے مضر ہوتی ہیں۔ بلکہ افطاری میں اکثر متضاد خاصیت کی چیزوں کا استعمال اور غذا میں تداخل کرنا یعنی بھرے پر بھرنا اور بے اعتدالی سے کام لیا یہ تمام وہ امور ہیں جن سے بیماری پیدا ہوتی ہے شرع نے تو بڑی سادہ چیزیں افطار کے لیے بتائی ہیں جیسے آب گرم یا رطب مگر یہاں افطاری میں جب تک دس پانچ چیزیں نہ ہوں روزہ کھلتا ہی نہیں۔ یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے۔

آپ کے سامنے ہے رہنمائے دین حضرت امیرالمومنینؑ کی افطاری کا سامان جسے جناب ام کلثوم نے بیان فرمایا ہے اُس آخری روزہ کے متعلق جس کے بعد حضرت کو شاید کسی دوسرے افطار کا موقع نہیں ملا۔ وہ مہینہ وہ تھا جس میں حضرت نے شہادت پائی۔ اس میں حضرت نے اپنا معمول یہ رکھا تھا کہ باری باری ایک دن حضرت امام حسن ایک دن حضرت امام حسین اور ایک دن عبداللہ بن جعفر کے یہاں افطار فرماتے تھے۔ آخری دن جس کے بعد آپ کے سر مبارک پر ضربت لگی آپ حضرت ام کلثوم کے مہمان تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت زینب ہیں جو عبداللہ بن جعفر کو منسوب تھیں۔ بہرحال افطار کے وقت جناب ام کلثوم نے ایک

ہضم کر سکتا۔

روزے پر بحث حفظانِ صحت کے نقطۂ نظر سے

"کہا جاتا ہے کہ "روزہ سے جسم میں ضعف بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے ہم ہر وقت مختلف امراض کے جراثیم قبول کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں کیونکہ اطباء کی رائے میں انسان کی بیماری اتنی خطرناک نہیں جتنا اس کا ضعف۔ اس لیے ایک ماہ کے مسلسل روزے طبی نقطۂ نظر سے بھی مضر ہیں۔"

مگر کیا یہ صحیح ہے؟ یاد رکھیے کہ مشاہدہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے اور موجودہ زمانے کی تحقیقات نے اعتراف کیا ہے کہ سب سے زیادہ عمر طبقۂ روحانیین یعنی علمائے مذہب کی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ زیادہ تر ان ریاضتوں کے پابند ہوتے ہیں جو جسمانی حیثیت سے ناتوانی کا باعث ہوتی ہیں۔

اکثر وہ لوگ جن کی عمر روزوں میں گزرتی ہے ان سے زیادہ زندہ رہتے ہیں اور ان سے زیادہ ذہنی اور علمی آثار چھوڑ جاتے ہیں کہ جو روزہ کے پابند نہیں ہیں۔ یا جنہوں نے کبھی رکھا ہی نہیں۔

روزے پر بحث اقتصادی نقطۂ نظر سے

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اقتصادی نقطۂ نظر سے بھی روزوں سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ مسلمان رمضان میں جس جس طرح اسراف کرتے ہیں۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ روزہ اقتصادی حیثیت سے اُن لوگوں کے

قدسی میں آیا ہے الصوم لی و انا اجزی بہ، روزہ مجھ سے مخصوص ہے اور میں اس کی جزا دوں گا، ظاہر ہے کہ ہر عبادت خدا ہی کے لیے ہوتی ہے مگر جتنی عبادتیں ہیں ان میں ریا و سمعہ کی گنجائش ہو سکتی ہے یعنی کبھی وہ دوسروں کے دکھانے یا سنانے کے لیے انجام پاتی ہیں مگر روزہ اگر ہوگا تو وہ خدا ہی کے لیے ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں نہ دکھانے کا محل ہے نہ سنانے کا۔

اس میں حرکات و افعال نہیں کہ جو دیکھنے میں آئیں۔ اذکار نہیں کہ سننے میں آئیں وہ تو مخصوص اشیاء کے ترک کا نام ہے اور ترک دیکھنے کے قابل نہیں ہوتا اسی کا نتیجہ ہے جو ارشاد ہوتا ہے وانا اجزی بہ میں اس کا بدلہ دوں گا۔ ہر عبادت کا بدلا دیتا ہے مگر دوسری عبادتوں کی ظاہری صورت کا معاوضہ دوسروں سے بھی مل سکتا ہے مثال کے طور پر یہ ہے کہ کوئی رئیس کسی شخص کو مامور کرے کہ تم آکر میرے بچوں کے سامنے نماز پڑھا کرو کہ انھیں نماز پڑھنا آجائے۔ اس صورت میں میں تم کو اتنا اتنا معاوضہ دوں گا مگر روزہ ایسی چیز نہیں ہے جس کا معاوضہ کوئی اور دے سکے۔ وہ اگر ہوگا تو خدا ہی کے لیے ہوگا اور وہی اس کی جزا دے گا۔

رہ گئے وہ روزے جو بطور نیابت رکھے جاتے ہیں اور ان میں اجرت لی جاتی ہے وہاں اجرت کا تعلق نیابت سے ہے اور روزہ کی قبولیت بحیثیت عبادت اس شخص کے لیے ہے جس کے وہ روزے ہیں اس لیے روزہ کا ثواب اس کو ملے گا اور اس ثواب کا دینے والا خدا ہی ہے۔

مفطرات صوم

روزہ کی یہ خصوصیت ہے کہ جتنے احکام شرعیہ ہیں ان کی تعمیل میں کسی

طبق میں گردہ نان، نمک اور ایک پیالہ دودھ کا حاضر کیا۔ بس یہ افطاری تھی بادشاہ دین و دنیا کی۔ حضرت نے اس کو بھی منظور نہ فرمایا اور ام کلثوم کو حکم دیا کہ دودھ کا پیالہ ہٹا لیں صرف نمک سے آپ نے چند لقمے روٹی کے نوش فرمائے۔ اس کے پیش کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ مسلمان بالکل اسی کی پیروی کریں اور حقیقی معنی میں نان و نمک ہی پر اکتفا کریں مگر اس مثال سے کچھ تو سبق لیں اور جہاں تک ممکن ہو سادگی اور کفایت شعاری سے کام لیں۔ یہ کہنا کہ نفسیاتی حیثیت سے وہ قابل عفو ہیں کیونکہ دن بھر کے فاقہ کے بعد انسان کی طبیعت لامحالہ کچھ اچھی غذا کھانے کو چاہتی ہے" یہ "لامحالہ" کوئی چیز نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے نفسیات انسانی کی تشکیل عادت اور ذہنیت کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

اگر مسلمانوں کو حفظانِ صحت، اقتصادی حیثیت اور کفایت شعاری کا جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر دل یہی چاہنے لگے کہ اس وقت دو چیزوں کے بجائے ایک ہی چیز کھائیں اور خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ صرف نہ کریں۔

مگر ان کی ہر بات فضول خرچی پر مبنی ہے اس لیے جیسے سب میں اولوالعزمی پائی جاتی ہے ویسے ہی کھانے کے معاملہ میں "چٹورا پن"۔ اس میں دنیا کی کشمکش بہت حد تک کمی پیدا کر چکی ہے اور جتنی یہ بات باقی ہے اس میں لامحالہ اور کمی پیدا ہو گی۔ مجبوریاں خود کم کرا دیں گی۔ پھر یہ لامحالہ پیدا ہو جائے گا اور اسی وقت روزہ کا اقتصادی مقصد حاصل ہوگا۔

تمام عبادات میں روزے کی فضیلت و خصوصیت

تمام عبادات میں روزہ کو خاص اہمیت و خصوصیت حاصل ہے۔ حدیث

بے چین کرنا بھی نیند کی متوالی طبیعتوں کے لیے بڑا ہی جہاد ہے۔

(۴) غبار غلیظ کو حلق کے نیچے اُترے دینا۔

(۵) عمداً استفراغ کرنا، بعض اوقات اس کا روکنا بھی ناگواری طبع کا باعث ہو سکتا ہے۔

(۶) کسی سیال چیز کے ساتھ احتقان یعنی امل لینا اگر طبی حیثیت سے ضروری نہیں ہو گیا ہے اور صرف اس کے چھوڑنے میں کچھ جسمانی تکلیف یا درد وغیرہ کی ایذا ہی سہنا ہے تو اس ایذا کو سہے اور اس تدارک کو نہ کرے۔

(۷) سر کو پانی کے اندر لے جا کر ڈبونا۔ اس کی قدر پوچھیے گرمی کے زمانے میں روزے کے عالم میں صاف ٹھنڈے حوض میں اترنے والوں سے جن کا دل پانی کو دیکھ کر لہریا لینے لگا ہو اور بے ساختہ دل چاہتا ہو کہ ایک غوطہ مگر حکم کی پابندی ہے۔

(۸) خدا و رسول اور ائمہ معصومین علیہم السلام پر جھوٹ باندھنا یعنی کسی قول یا فعل کو ان حضرات میں سے کسی بزرگ کی جانب غلط طور پر منسوب کرنا۔

اس کی زد زیادہ تر مقررین اور ذاکرین پر پڑتی ہے۔ روزہ کی مجلس، ایک تو یوں ہی نہیں چلتی، ادھر زبان بیان خشک اور ہونٹ پپڑائے ہوئے۔ طاقت ساتھ نہیں دیتی، ادھر سامعین نیند کے جھونکوں میں۔ مجسمہ خاموشی بنے سُن رہے ہیں اور اثر نہیں لیتے۔ ذہن میں ایک ٹکڑا موجود ہے، روایت میں لگائیں تو مجلس میں گرمی پیدا ہو جانے کی امید ہے مگر معلوم ہے کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ اگر کہیں یہ غلط روایت بیان کی اور ائمہ کی طرف سے امر کی نسبت ہوئی جو صحیح نہیں تو مجلس معلوم نہیں پھر بھی چلے یا نہ چلے لیکن روزہ ضرور چلا جائے گا اب چاہے منبر پر سے کورا

ایک جذبۂ نفس سے مقابلہ ہے مگر روزے میں بہت سے نفسانی جذبات کا مقابلہ ایک ہی ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ حسب ذیل اشیا وہ ہیں جن کا ترک کرنا روزے میں ضروری ہے اور آپ غور کیجیے کہ ان میں سے اکثر اشیا انسان کی عام معاشرت میں کس قدر دخیل ہیں اور ان کی خواہش انسان کو بہ تقاضائے فطرت کس درجہ شدید ہے۔

(۱) کھانا پینا، بقصد و ارادہ، انسان کو یوں چاہے بھوک نہ لگے مگر کسی کے روک دینے پر تو ضرورتاً تمنا پیدا ہوتی ہے۔ اور پیاس، اسے نہ پوچھیے خصوصیت کے ساتھ گرمی کے دنوں میں۔ لو اور دھوپ میں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ الصوم فی الحر جہاد گرمی میں روزہ رکھنا ایک بڑا جہاد ہے۔ بے شک جاڑوں میں غنیمۃ باردۃ بے لڑے بھڑے کا مال غنیمت ہے۔

(۲) بہ قصد و ارادہ اپنے کو مبتلائے جنابت کرنا، خواہ کسی صورت سے ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے بچنے کے لیے بہت سے اوقات نفس پر بڑا جبر کرنا پڑے گا۔ بلکہ بعض اوقات بعض اشخاص کو نگاہ اٹھا کر غور کے ساتھ دیکھنے تک سے خواہ اپنی شریک زندگی تک پر کیوں نہ ہو احتراز کرنا پڑے گا۔

(۳) رات کو اگر ارادی یا غیر ارادی طور پر ایسا اتفاق ہو تو پھر صبح کے پہلے ہی غسل کرنا لازم ہے اور اسی حالت پر باقی رہنا بطلان صوم کا باعث ہے۔ اب کچھ نہ پوچھیے اس نفسانی جبر کو جو ایسے وقت میں جب کہ طرب و نشاط اپنے شباب پر ہے۔ اور دلی مسرت کی گھٹا چھائی ہوئی ہے اور موذن کی بانگ سحر کا دھڑکا فرض شناس شخص کو اس بساط مسرت کے الٹنے پر مجبور کرتا اور لے جاتا ہے غسل کرنے یا بصورت عدم قدرت تیمم کرنے کا فریضہ ادا کرنے کی جانب، اگر سونے میں ایسا عالم ہو تو آنکھ کھلی اور اٹھنا ضروری۔ یہ نیند

نے خود بھی پوری کوشش سے دیکھا ڈھونڈھا اور چاند دکھائی نہ دیا اور نہ شہر بھر میں کسی نے دیکھا بس دو ضعیف العمر دھندلی نگاہ والے انسان گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھا۔

ہیں یہ متقی اور پرہیزگار، یقین ہے کہ جھوٹ نہ بولیں گے مگر دل کہتا ہے کہ ان کو دھوکا ہوا ہے چاند ہرگز نہیں ہوا ہے ورنہ آخر کسی اور بھی دیکھتا۔ اس صورت میں اپنے ضمیر اور اطمینان کے خلاف ان عادلوں کی گواہی ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(تیسرے) مجتہد [illegible] ہو گیا۔ شرط یہ ہے کہ آپ کو اطمینان ہو کہ مجتہد کے پاس ایسا ثبوت چاند کا پہنچ گیا ہے جو خود ہمیں بھی اگر پہنچتا تو ہمیں عمل اس پر لازم ہو

(چوتھے) یہ کہ چاند ہو جانا اس طرح زبان زد خلائق ہو جس سے انسان کو یقین پیدا ہو جائے یا ایسا وثوق و اطمینان جس کے خلاف احتمال عقلی طور پر قابل لحاظ نہ ہو

(پانچویں) یہ کہ شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں۔

اور ایسے ہی ذرائع سے شوال کا چاند بھی ثابت ہوگا جس کا نتیجہ ہے کہ روزہ رکھنا انسان کے لیے حرام ہو جائے۔

متقدمین علماء و محدثین میں ایک بڑی بحث چلی تھی اس بات کی کہ ماہ صیام تیس دن سے کم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس پر بڑے بڑے رسالے لکھے گئے۔ بات یہ ہے کہ بعض احادیث اس قسم کے وارد ہو گئے ہیں کہ ماہ رمضان ۳۰ دن سے کم نہیں ہوتا محققین اہل نظر کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ثواب ماہ رمضان کا بہر حال کامل ملے گا۔ چاہے چاند ۲۹ ہی کا کیوں نہ ہو جائے۔ یہی عدل الٰہی کا تقاضا بھی ہے کیونکہ چاند کا

اُترنا ہے لیکن بیان اتنا ذو ہی کچھ ثابت آپ کے نزدیک صحیح ہے۔

ماہ صیام کا چاند

فصلوں کا تغیر و تبدل آفتاب کے لحاظ سے ہوتا ہے اور شمس سے طبعی تعلق تھا
میں بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ نجومی لوگ ستاروں کی کائنات میں فوائد اور سمجھتے
ہیں اور حوادث کا تعلق اس سے قرار دیتے ہیں۔ اسلام نے نہ آفتاب کا لحاظ کیا
ہے نہ ستاروں کا کیونکہ دونوں باتیں غیر یقینی ہیں۔ جو تماہ حالت ہیں وہ سمجھیں
اس نے چاند کا اعتبار کیا ہے جو محسوس اور ہے۔ اگر ایک مہینے میں دھوکا ہو بھی جائے
تو دوسرے مہینے [illegible] ہو جاتی ہے۔ [illegible] سے عالم اور جاہل سب دونوں
چاند کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر مہینے کی ابتدا اور انتہا کا پتہ لگا سکتے ہیں ماہ رمضان
کو روزوں کا زمانہ قرار دیا ہے اس کا بھی تعلق چاند سے ہے جب چاند ہو گیا روزہ
واجب ہوا جب چاند ہو گیا روزوں کی میعاد ختم۔ اصل ذریعہ اس کے علم کا مشاہدہ ہی
ہے لیکن اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کچھ دل میں مصروف ہے۔ چاند کی
تحقیق کو اپنی آنکھ سے دیکھنے نہ پا سکا یا مطلع ابر سے گھرا ہوا اور غبار آلود ہے
اس لیے چاند [illegible] ورنہ دکھلائی دیا تیرہ سکے لیے کچھ اور ذرائع بھی قرار دیے
گئے۔ چنانچہ [illegible] ذریعہ ہے دو عادل شخصوں کی گواہی۔ عادل یعنی جن کی فرض شناسی
اور پرہیزگاری پر اطمینان ہو شرط یہ ہے کہ اُن کے قول کے خلاف وثوق نہ حاصل ہو
یہ ضمیر [illegible] بات ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مطلع بالکل صاف۔ بڑے بڑے تیز نظر
آدمی چاند کو دیکھنے میں کوشاں۔ خود آپ کی بھی نگاہ اچھی خاصی تیز ہے اور آپ

مبادی و مقدمات ہیں۔ تصورِ عمل، میلانِ نفس یعنی شوق و رغبت۔ شرائط و موانع پر نظر کر کے جزم۔ پھر ایک خاص ہیجانِ نفس جس کا آخری درجہ حرکتِ عضلات یعنی اُن اجزائے بدن کے متحرک ہونے سے کہ جن کے ساتھ عمل کا تعلق ہے ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) محرکِ عمل وہی ہیجانِ نفس ہو سکتا ہے کہ جو عمل سے متصل ہو لیکن اگر عمل سے جدا ہے تو وہ محرکِ عمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ شے کہ جو عمل کے وقت آنے سے پہلے انسان میں پائی جاتی ہے اُسے ارادہ کہنا عرفی محاورہ ہے جس کو حقیقت سے تعلق نہیں ہے۔ وہ ابتدائی درجے ارادہ کے ہو سکتے ہیں جیسے شوق، عزم، یا جزم مگر ارادہ تو وہ نفس کے ہیجان کا آخری درجہ ہے جس کے بعد عمل کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہیجان اُس درجے تک نہ پہونچے تو فعل کا صدور غیر ممکن ہے۔ مثال کے طور پر یہ دیکھیے کہ آپ کو اس وقت ارادہ ہو اور حتمی ارادہ ہو کہ ۶ بجے شام کو میں امین آباد جاؤں گا لیکن اگر اُس وقت پر آپ سو رہے ہیں یا بیدار ہیں مگر اس خیال کو اپنے بھولے ہوئے ہیں تو ہرگز آپ کا وہ صبح والا ارادہ اس وقت محرکِ عمل نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ رو میں گھر سے نکل جائیں اور آنکھیں بند کئے ہوئے اتفاق سے امین آباد پہونچ جائیں تو یہ ایک غیر اختیاری امر سمجھا جائے گا وہ صبح والا ارادہ اس عمل کے اختیاری قرار پانے کا موجب نہ ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ارادہ جو عمل کے اختیاری طور پر صادر ہونے کا معیار ہے وہ وہی چیز ہے کہ جو عمل سے متصل ہوتی ہے اور عمل سے قبل اس کا پایا جانا جب کہ درمیان میں فاصلہ ہو گیا ہو اس عمل کا سبب اور اس کے اختیاری ہونے کا موجب نہیں بن سکتا۔

اب یہ ملاحظہ کیجیے کہ یہ ۳۰ دن کے روزے جو رکھے جاتے ہیں یہ سب ایک ہی عمل ہے یا متعدد اعمال ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ عمل کی وحدت ابتدا و انتہا کے حدود

۲۹ کا ہو جانا انسان کے بس سے باہر ہے اور اطاعت شعار بندہ کی نیت یہی ہے کہ ۳۰ میں کا بھی مہینہ ہو تو سب روزہ رکھے - اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ۲۹ کا چاند ہونے سے اس کے ثواب میں کمی کر دی جائے -

نیت

حصہ دوم و سوم میں وضو اور نماز کے باب میں واجبات تعبدیہ کی حقیقت اور نیت کی ماہیت پر کافی تبصرہ کیا جا چکا ہے - روزہ بھی اُن واجبات میں سے ہے جن کی صحت قصد قربت پر موقوف ہے اور بغیر نیت وہ درست نہیں ہو سکتا مگر بحث پڑ گئی ہے اس بات میں کہ ماہ رمضان کے تمام مہینے کے روزوں کے لیے ایک نیت کافی ہے یا ہر روزہ کی نیت الگ الگ ہونا چاہیے - اس بحث کے تصفیہ کے لیے ہم کو کچھ تمہیدی امور کے بیان کرنے کی ضرورت ہے جن پر اس کا دارو مدار ہے -

(۱) یہ کہ نیت عقلی امر ہے - جو بھی عمل ایسا ہو کہ اُس کا مقصد کسی خارجی نفع اور فائدہ کے طور پر متعین نہ کیا گیا ہو - اُسے بر بنائے حکم حاکم ہی بجا لانا چاہیے اسی طرح اگر معلوم ہو جائے کہ اس حکم کا مقصد فرض شناسی کا پیدا کرنا ہے تو بھی عقلی طور پر اس عمل کو قصد اور ارادہ اور احساس فرض کے ساتھ انجام پانا چاہیے اسی کا نام نیت ہے اس لیے نیت کے باب میں عقل کا فیصلہ قابل قبول ہے اور ضرورت منقولی دلائل کی نہیں ہے -

(۲) نیت ارادہ کی ایک خصوصی صورت ہے اور وہ وہ چیز ہے جو محرک عمل ہوتی ہے - اس لیے ارادہ کے لوازم اور خصوصیات ذاتی نیت سے جدا نہیں ہو سکتے

(۳) ارادہ وہ کیفیت نفسیہ ہے جو تحریک عمل پیدا کرتی ہے - اس کے

آغاز سے بعد انجام تک پہونچانا ضروری ہے۔ نماز کا وقت اگرچہ وسیع ہو یعنی اگر اس نماز کو توڑ ڈالے تو پھر بھی وقت کے اندر نماز پڑھ لے گا مگر بلا ضرورت کے اس کا توڑنا جائز نہیں ہے لیکن روزہ کے باب میں یہ خاص رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ جو روزہ ہو ایسا جسے بعد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جیسے قضائے ماہ رمضان جبکہ ابھی سال کے دن ان روزوں کی تعداد سے زیادہ باقی ہوں یا نذر غیر معین کا روزہ تو اسے ظہر کے قبل تک انسان توڑ سکتا ہے۔ اور اگر مستحبی روزہ ہو تو اسے شام تک جس وقت چاہے ترک کرے گا۔ یہ بھی نفسیات انسانی کے لحاظ سے وقت اور مواقع کی پیش بندی کے لحاظ سے دواعی اسباب و حالات کی خاطرداری ہے اور یہ اسلام کی اس عام معیاری خصوصیت کے مطابق ہے۔ جو ہر شعبہ زندگی میں فرض شناسی کے احساس کے باقی رکھنے کے ساتھ امکانی سہولت بھی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

رعایت بالائے رعایت

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شعبان کا ۲۹ تاریخ کا چاند مشکوک رہا۔ ۳۰ تاریخ تک شبہہ ہے کہ شاید چاند ہو گیا ہو تو آج پہلی ماہ رمضان کی ہے لیکن چاند کا ثبوت نہیں ہے اس کو یوم الشک کہتے ہیں۔ یہاں چونکہ ثبوت ماہ رمضان کا نہیں ہے اور حالت سابقہ کے برقرار رہنے کا تقتضایہ ہے کہ آج کا دن ماہ شعبان ہی میں حکم شرعی کے لحاظ سے داخل سمجھا جائے اس لیے یہ حق نہیں ہے کہ آج کا روزہ ماہ رمضان کی نیت سے رکھا جائے۔ لیکن اگر روزہ ترک کرے تو ایک ماہ رمضان کے اس صوم کی خصوصی برکت سے محروم رہ گیا۔ دوسرے یہ کہ بعد میں قضا کرنا پڑے گی جو طبیعت پر گراں گزرتی ہے اور بلا وجہ ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے

کہ جو صحت عمل کے لیے ضروری ہے یہاں متحقق نہیں ہوئی۔

روزے کی صحت میں ایک خاص رعایت

اصولاً اگر کوئی عمل بہت سے اجزاء سے مرکب ہو یا ایک خاص مدت تک قائم رہنے والا ہو تو اُن تمام اجزاء کے حصول اور اُس تمام مدت میں عمل کو مسلسل ارادہ کے ساتھ ہونا چاہیے تب ہی وہ عمل صحیح ہوگا لیکن اگر ایک جزو بھی کم ہو گیا یا مدت کا کوئی حصہ بھی خارج ہو گیا تو عمل کو باطل ہو جانا چاہیے اگر کوئی خاص تصریح قانون میں اس کے خلاف نہ آئے تو قاعدہ کا اقتضا یہی ہے مگر جس طرح جماعت کی نماز میں یہ رعایت کی گئی ہے کہ اگر رکوع میں بھی شریک ہو جائے تو رکعت حساب میں آجاتی ہے اور نماز صحیح ہو جاتی ہے اُسی طرح روزہ کے باب میں شرع نے یہ ایک خاص رعایت کی ہے کہ روزہ واجبی میں اگر انسان نے کچھ کھایا پیا نہ ہو تو زوال کے قبل تک نیت ہو سکتی ہے اور مستحبی روزہ میں اس سے بھی زیادہ رعایت کی گئی ہے یہ کہ بعد زوال بھی غروب کے وقت کے قبل جس وقت سے قصد روزہ کا پیدا ہو جائے بشرطیکہ کچھ مفطرات صوم کا اس دن استعمال نہ ہوا ہو تو وہ روزہ حساب میں آجائے گا یہ صرف خدائے کریم کا ایک فضل و احسان اور انسان کے رجحان عبادت کی ایک قدر افزائی ہے بدقسمت ہے وہ انسان اگر اب بھی نعمت ثواب کے حصول کی طرف متوجہ نہ ہو جائے۔

ایک اور رعایت

عبادت کو شروع کرنے کے بعد ناتمام چھوڑنا نہیں چاہیے ارشاد ہوا ہے کہ لا تبطلوا اعمالکم اگرچہ اس کے دوسرے معنی بھی ہیں لیکن علماء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عمل کو

کرے۔ یہ طرزِ عمل اُس کا ہرگز درست نہیں ہوگا اور وہ اخروی پاداش سے ترکِ صوم کی بچ
نہیں سکتا جس طرح اگر فعلِ حرام کے ساتھ انسان روزہ کو ترک کرے۔ مثلاً ماہ صیام کے
روزہ کے بجائے معاذ اللہ شراب خواری کرے یا ناجائز طور پر عورت سے تعلقات خاص
قائم کرے تو ایسے شخص کے لیے تینوں کفارے ایک ساتھ دینا لازم ہیں مگر اس سے نہ اُس
فعلِ حرام کی حرمت برطرف ہوگی۔ نہ روزہ کے ترک کی اہمیت، بے شک اگر یہ کفارہ بھی
نہ دے تو ایک تیسرا جرم ہوگا اس جرم سے بچنے کے لیے عقلی طور پر کفارہ دے دینا لازم ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ واجبات جو خاص اوقات کے ساتھ مشروط ہیں اور جن کی قضا
کا بعد میں حکم ہے ان میں ایک مطلوب تو اصل فعل کا انجام دینا ہے۔ دوسرا مطلوب اُن کا وقت
خاص میں واقع ہونا ہے اگر ایسا نہ ہوتا اور اصل مقصد صرف کام کا انجام پانا ہوتا تو واجب
میں خصوصیت وقت کے ساتھ حکم ہی نہ ہوتا بلکہ غیر موقت طور پر اس کا حکم ہوتا اور اگر مطلوب
ہوتا صرف وقت خاص میں وقوع پذیر ہونا تو بغیر وقت گزرنے کے بعد قضا کا حکم نہ ہوتا
لیکن چونکہ دو مطلوب الگ الگ ہیں اس لیے اگر اصل وقت پر نہ بجا لائے تو گنہگار
ہوگا اس لیے کہ وقت کی خصوصیت ہاتھ سے دے دی لیکن پھر بھی حکم ہے کہ اُس کو
دوسرے وقت بجا لائے تاکہ وہ دوسرا مطلوب یعنی اصل فعل کی بجا آوری تو حاصل ہو جائے
اگر اس نے بعد میں اُس فعل کو انجام نہ دیا تو یہ ایک دوسرا گناہ ہوگا۔ یوں ہی جس مقام
پر کفارہ کا حکم ہے یہ ایک تیسرا مقصد ہے اور وہ یہ کہ اس جرم کا ایک تاوان وہ اس دنیا
میں بھی دے دے لیکن نہ اس سے وہ وقت کی خصوصیت کا منشا حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ
گناہ برطرف ہو۔ نہ اصل فعل کی بجا آوری ہوتی ہے تاکہ قضا کی ضرورت نہ ہو بلکہ اس
کفارہ کے ادا کرنے کے ساتھ اصل فعل کی بجا آوری کے لیے قضا بھی ضروری ہے اور وقت

اس لیے یہ صورت قرار دی گئی ہے کہ بہتر ہے کہ آج کا روزہ استحباب کی نیت سے رکھ لے پھر اگر معلوم ہوا کہ یہ دن ماہ رمضان کا تھا تو یہ روزہ اسی حساب میں آجائے گا اور پھر قضا کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ بھی خدا کا ایک فضل و احسان ہے ورنہ اصولاً جب وہ ماہ شعبان کی نیت سے رکھا گیا تو اس کے ماہ صیام میں آنے کی جہت ؟ مگر وہ تو نیت کے اندر کی ضمیر کی گہرائی کو بھی دیکھتا ہے اُسے معلوم ہے کہ اس نے استحباب کی نیت صرف اس لیے کی ہے کہ اس کے محدود ذرائع علم میں چاند ثابت نہیں ہوا لیکن اصل میں اس کا روزہ رکھنا آج صرف اُس برکت کے حاصل کرنے اور اُس فرض کے نظر انداز نہ ہونے کے لیے ہے جو ماہ رمضان کے روزہ کی شکل میں اُس پر عائد ہے۔ اس لیے وہ اُس نیت کے باطنی جذبہ پر جزا دینے کے لیے تیار ہے اور اُس روزہ کو ماہ صیام میں حساب کر لیتا ہے۔

ترک صوم کا کفارہ

ایک دن بھی روزہ اگر عمداً ترک کرے تو کفارہ واجب ہے ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا یا دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا یا بندہ راہ خدا میں آزاد کرنا۔

آج جبکہ بردہ فروشی قانوناً ممنوع ہے تو پہلی دو صورتوں میں انحصار ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کفارہ ایک جرمانہ ہے جس کا ادا کرنا انسان کے لیے لازم ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ترک صوم اس کفارہ کے ادا کرنے کے ساتھ جرم نہیں باقی رہا وہ گناہ جو اپنے وقت پر ترک صوم کا ہو گیا۔ بہرحال گناہ ہے اور اس کے لیے توبہ کی ضرورت ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی صاحب دولت شخص اپنا وتیرہ ہی یہ قرار دے لے کہ روزہ ترک کر دیا کرے اور پھر ہر روزہ کے عوض ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا

روزہ کی قضا و کفارہ دے دوں گا۔ یہ فعل اس شخص کا جائز ہے یا ناجائز اور شخص مذکور ہمیشہ ایسا ہی کیا کرے کہ روزہ ماہ رمضان کا بلا عذر شرعی عمداً نہ رکھے اور قضا و کفارہ ادا کر دیا کرے۔ تو گنہگار ہوگا یا نہیں اور قضا و کفارہ صیام ماہ رمضان سے کافی ہو جائے گا یا نہیں۔ جواب تفصیلی مرحمت ہو۔

جواب

مخفی نہ رہے کہ شریعت میں واجب کئی طرح کا ہے منجملہ اقسام واجب کے جو محل بحث ہمارے مسئلہ کا ہے واجب عینی و واجب تخییری ہے۔ فرق واجب عینی و تخییری میں یہ ہے کہ واجب عینی وہ واجب ہے جس کا بدل اور جس کی مصلحت کو پورا کرنے والا دوسرا فعل نہیں ہوتا۔ بخلاف واجب تخییری کے۔ واجب تخییری میں اس مصلحت کے پورا کرنے والے جو اس واجب میں نظر شریعت میں ہے دو فعل یا زیادہ ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز جمعہ و صلوٰۃ ظہر۔ اگر وجوب تخییری کے قائل ہوں تو دونوں نماز جمعہ اور نماز ظہر اس مصلحت کے لیے جو نظر شارع میں ہے کافی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ واجب تخییری میں مکلف کو شرع کی جانب سے اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ اس فعل کو بجا لائے خواہ دوسرے فعل کو مگر واجب عینی میں اختیار دو فعلوں میں یا زائد میں نہیں ہوتا بلکہ اسی فعل کا خود بجا لانا ضروری ہوتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اگر نظر شریعت میں اس کے فعل کے بجا لانے سے معذور ہو خوف ضرر وغیرہ کی وجہ سے تو دوسرا فعل اضطراری حالت میں اس کا بدل قرار دیا گیا جیسے تیمم وضو کا بدل اضطراری ہے۔

نماز و روزہ واجبات عینیہ میں سے ہیں لہذا کوئی دوسرا فعل اس کی مصلحت پورا

پرنہ بجالانے کے گناہ کے لیے سچے دل سے توبہ کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ پھر کفارہ بھی ادا کرے تو انشاءاللہ پھر آخرت میں کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

اس امر کے متعلق کہ اس قضا و کفارہ سے اصل وقت کی خصوصیت جو فوت شدہ ہے نصیب نہیں ہوتی اور اس لیے انسان کو اس پر نادمت ہونے کی ضرورت ہے۔ حدیث معصوم بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو سماعہ بن مہران کی روایت اُن کا بیان ہے کہ میں نے معصوم سے دریافت کیا اس شخص کے متعلق جو ماہ رمضان میں جان بوجھ کر اپنی عورت سے مقاربت کرے حضرت نے فرمایا اس کا کفارہ ہے بندہ آزاد کرنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور دو مہینے کے پے در پے روزے رکھنا۔ اس کے علاوہ اس دن کی قضا بھی لازم ہے وَانّی لہ مثل ذلک الیوم اور بھلا وہ دن اب کہاں نصیب ہو؟ اس سے ظاہر ہے کہ اس دن روزہ رکھنے سے جو مقصد تھا وہ اب حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ قضا و کفارہ اس کا پورا پورا بدل ہو گیا۔

ہمارے والد ماجد[ع] اعلی اللہ مقامہ کے متعلق ایک رئیس صاحب نے یہ دریافت کرنے کے بعد کہ ایک روزہ کا کیا کفارہ ہوتا ہے اپنا دستور مقرر کر لیا کہ وہ روزے ماہ رمضان کے ترک کریں اور پھر ساٹھ آدمیوں کو کھانا کھلا دیا کریں۔ اس پر پھر جناب مغفور نے ایک تفصیلی جواب سوال کا تحریر فرمایا جو اس موقع پر درج کیا جاتا ہے:۔

سوال

اگر کوئی شخص روزہ ماہ رمضان بلا عذر شرعی عمداً نہ رکھے یہ خیال کر کے کہ ایک

[ع] ممتاز العلماء مولانا السید ابوالحسن اعلی اللہ مقامہ فی دار الکرامہ

کے بعد اگرچہ صوم و صلوٰۃ کی وقت کی قید کے ساتھ مصلحت نہیں حاصل ہوتی مگر اصل عمل کی مصلحت حاصل ہو سکتی ہی اس لیے اتنی سزا کہ جو اصل عمل کے بالکل فوت ہونے کی صورت میں ہوتی ۔ ممکن ہی کہ اس قضا و کفارہ کے بعد نہ ہو ۔

دوسری تقریر یہ ہی کہ نمازہاے پنجگانہ و صیام ماہ رمضان از قبیل تعدد مطلوب ہیں یعنی نماز ظہر مثلاً اور روزۂ ماہ رمضان میں مطلوب شارع کو محض نفس عمل نہیں ہی بلکہ نفس عمل کا بجالانا ایک مطلوب ہی اور دوسرا مطلوب یہ ہی کہ یہ عمل بالخصوص فلاں وقت میں واقع ہو لہذا بعد قضاے صلوٰۃ و صوم کے تدارک پہلے مطلوب یعنی نفس عمل کے ترک کا ہو جاتا ہی اس لیے اس کا عقاب نہ ہوگا مگر دوسرا مطلوب یعنی اس عمل کا فلاں وقت میں واقع ہونا اس کا تدارک نہیں ہوتا ہی اور قضا و کفارہ کے باوجود روزہ کے وقت معین پر ادا نہ ہونے کی سزا باقی رہیگی ۔ اس کے لیے توبہ کی ضرورت ہی ۔

لہذا نمازہاے پنجگانہ میں سے کسی نماز کو ترک کرنا یا روزہ کا ترک عمداً بلا عذر شرعی اگر اس قصد سے ہو کہ بعد میں قضا یا قضا و کفارہ کو ادا کرلے گا حرام ہی اور صرف قضا نماز میں یا قضا مع کفارہ روزہ میں اس گناہ کے دور کرنے کا باعث نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سیرت قرار دے لینا اور قضا و کفارہ کو اس اعتقاد سے ادا کرنا کہ یہ مستقل قائم مقام اصل عمل کا ہی بدعت ہی ۔

اور بعض جوابات مسائل دینیہ کلمات علما میں یہ کہ ترک صوم پر بدون عذر شرعی بعد قضا و کفارہ عقاب نہیں ہی ۔ اسی صورت سے مخصوص ہی کہ جب قضا و کفارہ بعد توبہ واقع ہو ۔

ھذا ما یخطر بالبال فی الجواب عن السؤال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

کرنے والا نہیں سمجھا جا سکتا اور اس لیے اگر کوئی شخص روزہ یا نماز ترک کرے تو چاہے بعد کو قضا بھی کرے یا روزہ عمداً بدون عذر شرعی ترک کر کے کفارہ بھی دے دے تب بھی گنہگار رہے گا اور قضا و کفارہ یا تنہا قضا فوت شدہ روزہ یا نماز کے مفاد کو پورا نہیں کر سکتا اور اس سے اصل فعل کے اس کے وقت پر ترک کرنے کا گناہ برطرف نہیں ہو سکتا جب تک کہ توبہ نہ کرے۔ اسی طرح اگر توبہ کے بعد تلافی مافات نہ کرے اور قضا و کفارہ یا قضا روزہ اور نماز کے ترک کے بعد نہ کرے تو محض توبہ کافی نہیں ہے۔ اگر قضا و کفارہ روزہ میں یا تنہا قضا نماز میں اس عبادت کے مفاد کو پورا کر دے تو نماز و روزہ واجب عینی نہ رہے گا بلکہ واجب تخییری ہو جائے گا اور یہ بالاجماع باطل ہے

یہ خیال کہ ترک صوم و صلوٰۃ کے بعد جو حکم تھا اس پر عمل کر لیا یعنی ترک صوم میں قضا و کفارہ اور ترک صلوٰۃ میں قضا پر عمل کر لیا تو اب سزا کیوں ہو اور اگر سزا بہرحال ملنا ہے تو پھر قضا و کفارہ سے کیا فائدہ ہے، درست نہیں ہے اس لیے کہ ہمارا فرقہ عدلیہ امامیہ اثنا عشریہ اس کا قائل ہے کہ احکام شرعیہ مصالح و مفاسد واقعیہ کے تابع ہیں بے شک کبھی مصلحت ذات فعل میں ہوتی ہے اور وقت و مکان کو مدخلیت نہیں ہوتی اور بعض افعال ایسے ہیں جن میں وقت یا مکان کی خصوصیت ملحوظ ہے۔

نمازہائے یومیہ اور صیام ماہ مبارک رمضان ایسے ہی واجب ہیں جن میں وقت کو مدخلیت ہے روزہ ماہ مبارک رمضان اور مثلاً نماز ظہر کے ترک کے بعد وہ خصوصیت وقتیہ ہاتھ نہیں آ سکتی لہذا اس خصوصیت وقت کے ہاتھ سے دے دینے پر اگر بعد قضا و کفارہ یا محض قضا کے بعد گناہ باقی رہے تو کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اب رہ گیا یہ امر کہ جب گناہ باقی رہتا ہے تو حکم قضا و کفارہ کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قضا و کفارہ

گزر گئی صبح کو روزہ پر روزہ رکھا اور خندق کھودنے کے لیے حاضر ہو گئے کام میں مصروف ہو گئے لیکن ضعف اور ناتوانی سے یہ عالم ہوا کہ غش آ گیا۔

پیغمبر نے حالت دیکھی تو واقعہ دریافت کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ جب تک صبح کا سفید خط رات کے سیاہ خط سے نمودار ہو۔ اب اس آیت کی بنا پر پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور یہ قانون ہو گیا کہ رات کو سو بھی جاؤ تو صبح صادق تک کھا پی سکتے ہو یہ اس غیر معمولی ثبات و استقلال اور اطاعت کی راہ میں مشقت کے برداشت کا نتیجہ تھا کہ شرع نے عملیتہ کے لیے آسانی قرار دے دی۔ اب اسی موقع کا دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو۔ یہ بھی حکم تھا کہ ماہ رمضان میں رات کے وقت بھی عورتوں سے مقاربت کرنا جائز نہیں کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی تو اس حکم کو بھی منسوخ کیا گیا اور ارشاد ہوا۔ (احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم) حلال کیا گیا تمہارے لیے روزہ کی رات میں جانا اپنی عورتوں کے پاس" تفسیر نعمانی میں ہے کان من المسلمین شبان ینکحون نساءھم باللیل سرا فقلۃ صبرھم فسأل النبی اللہ فی ذلک فانزل اللہ احل لکم لیلۃ الصیام الخ مسلمانوں میں کچھ جوان تھے جو اس حکم کو برداشت نہ کر کے راتوں کو خفیہ اپنی عورتوں سے اختلاط کرتے تھے اس بارے میں پیغمبر نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ عجیب لطف ہے کہ شیعی روایت نے اس بارے میں اتنے پر اکتفا کی ہے مگر سنی مفسرین نے آیت کی شان نزول میں صاف پردہ کشائی کی ہے اور نام بتلا دیا ہے کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ حیدر آباد ج ۱ صفحہ ۳۴۴ حرمہ بن انس کے حالات میں لکھا ہے ھو الذی نزلت فی سببہ و سبب عمر بن الخطاب احل لکم لیلۃ الصیام الخ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۶۰

حررہ بیمناہ الداثرۃ العاثرۃ من الا بضاعۃ لہ فی الحقیقۃ ، اقل خدام قسنیۃ المصطفویۃ علی صاحبہا الاف التحیۃ ابو الحسن النقوی بقلمہ ۔

روزے کے متعلق صدر اسلام کے دو واقعے

اطاعت اور معصیت کے نتیجہ خیز نمونے

روزہ کے باب میں تاریخ اسلام اور آثار شریعت میں دو یادگار واقعے ہیں جن میں انسانی نفس کی اطاعت اور معصیت کے دو متضاد نمونے سامنے آتے ہیں ۔ اور جن کا نتیجہ ہمیشہ کے لیے بطور یادگار احکام شریعت میں قائم و برقرار ہے حقیقت یہ ہے کہ صدر اسلام میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ کے بعد کچھ کھانا کھائے بغیر شام کو سو جائے تو پھر سو جانے کے بعد کچھ کھانا پینا حرام تھا ۔ اتفاق سے خندق کی لڑائی ماہ رمضان میں واقع ہوئی پیغمبر نے حکم دیا کہ صحابۂ کرام خندق کھودنے میں مصروف ہوں ، عرب کی دھوپ اور پتھریلی زمین دن بھر روزہ کی حالت میں خندق کا کھودنا ۔ رسولؐ کا ایک بوڑھا صحابی جس کا نام روایتوں میں مختلف ہے ، ابو بصیر مرادی کی روایت جو امام محمد باقرؑ یا امام جعفر صادقؑ سے ہے ۔ اس میں خوات بن جبیر انصاری اور تفسیر نعمانی میں امیر المومنینؑ سے مطعم بن جبیر منقول ہے وہ خندق کھودنے کے بعد وقت افطار تھکے ماندے اپنے خیمہ میں آئے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کچھ کھانا موجود ہے ؟ اس نے کہا کہ ٹھہرو سونا نہیں ، میں ابھی تیار کرکے لاتی ہوں یہ بیچارے دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے اتفاق سے نیند آگئی ، سو گئے ۔ زوجہ طعام لے کر حاضر ہوئی اور جگایا تو کہا اب میرے لیے کچھ کھانا حرام ہے ۔ میں سو گیا تھا ۔ رات یوں ہی

معاف کیا جائے گا۔

کسی نے کہا یا رسول اللہ ہر شخص ہم میں سے اتنی مقدرت نہیں رکھتا کہ کسی کا روزہ کھلوائے حضرت نے فرمایا خدا کریم ہے۔ وہ یہ ثواب عطا فرمائے گا اُن کو جو صرف ایک ذرا سے دُودھ یا ٹھنڈے پانی یا کچھ خرموں سے کسی کا روزہ کھلوا دے جبکہ اس سے زیادہ پر قادر نہ ہو"

(۲) امام محمد باقرؑ کی روایت ہے "من افطر صائما فلہ مثل اجرہ" "جو کسی مومن کا روزہ کھلوائے اُسے اتنا ہی ثواب ملے گا جو خود روزہ رکھنے کا ثواب ہے۔

(۳) امام موسیٰ کاظمؑ کی روایت میں ہے کہ "فطرک اخاک الصائم افضل من صیامک" "تمہارا اپنے برادر مؤمن کے روزہ کو کھلوانا خود تمہارے روزہ کے ثواب سے زیادہ ہے۔

(۴) امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے "فطرک لاخیک وادخالک السرور علیہ اعظم اجرا من صیامک" "تمہارا اپنے برادر مومن کا روزہ کھلوانا اور اس کے دل کو خوش کرنا خود تمہارے روزہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

(۵) امام محمد باقرؑ کی روایت ہے "لان افطر رجلا مؤمنا فی بیتی احب الی من ان اعتق کذا وکذا نسمۃ من ولد اسمعیل۔

"ایک مومن کا روزہ اپنے گھر میں بلا کر کھلوا دوں مجھکو زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں اتنے اتنے آدمی اولاد اسمٰعیل میں سے آزاد کر دیتا۔

اور بھی روایات افطار کرانے کے ثواب میں ہیں مگر مذکورہ احادیث میں نے اس لیے نقل کیے ہیں کہ ان سے میں کچھ خاص نتائج تک پہنچتا ہوں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں

میں بھی اس کی تصریح ہے حکم منسوخ ہوا تھا اس اطاعت سے بھی اور منسوخ ہوا اس معصیت سے بھی۔ مگر یہاں جس طرح سے تنبیہ کے تازیانے لگائے گئے ہیں وہ ایک غیرت دار کے لیے بہت بڑی چیز ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالان باشروھن۔ "اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے نفوس کی خیانت کرتے رہتے تھے۔ اب خدا نے تمہاری توبہ قبول کی اور معاف کر دیا اور اب تم ان سے راتوں کے وقت مقاربت کر سکتے ہو۔" یہ معافی اطاعت کی منزل میں ناکامیابی کی سند ہے جس طرح پہلے قدم پر کامیابی کا انعام تھا۔ نتیجہ ایک ہے اور وہ پائدار ہے مگر اس کے ساتھ اصحاب پیغمبر کے مختلف کردار کی یادگار برقرار ہے۔

فریضۂ صوم کے ساتھ غربا پروری

روزہ ایک خداوند عالم کی طرف کا ذاتی فرض ہے جس کا مقصد تزکیۂ نفس ہے مگر اس کے ساتھ شرع نے غریبوں کے شکم سیری کا بھی سامان کیا ہے افطار صوم کی فضائل بیان کر کے۔ یہ فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ ہر مردہ دل انسان کا بھی دل چاہنے لگتا ہے کہ اس ثواب کو حاصل کرے اور پھر اس میں اتنی وسعت کی گئی ہے کہ ہر غریب اس فضیلت کو حاصل کر سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد من فطر فیہ مؤمنا صائما کان لہ بذلک عند اللہ عتق رقبۃ ومغفرۃ لذنوبہ فیما مضی۔ "جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے اس کو خدا کے یہاں یہ ثواب ملے گا کہ گویا اس نے بندہ راہ خدا میں آزاد کیا اور اس کے گزشتہ گناہوں کو

غلط ہی اس لیے کہ وہ جیسی روزہ میں صرف ثواب نہیں ہی بلکہ اُس کے ترک میں سزا بھی ہی اور یہی سزا کا دفعیہ دوسرے کا روزہ کھلوانے سے نہیں ہوگا۔ بے شک مذکورہ روایت کا نتیجہ ہوسکتا ہی کہ اگر انسان کے لیے کسی وجہ سے یہ دو صورتیں درپیش ہوجائیں کہ وہ خود سُنتی روزہ رکھے اور اپنے روزہ کی افطاری کا سامان کرے یا خود روزہ نہ رکھے اور کسی دوسرے بندۂ مومن کے روزہ کھلنے کا سامان کردے تو اس کے لیے دوسری صورت کا اختیار کرنا کم از کم پہلی صورت کے برابر یا اس سے افضل ہی۔ یہ بالکل قواعد شرعیہ کے مطابق ہی۔ عبادات جسمانی سے یقیناً عبادات اجتماعی یعنی خلق اللہ کو فائدہ پہونچانے کا ثواب زیادہ ہی اور اس بنا پر روایت کا مضمون بالکل مسلک شرع کے مطابق ہی۔

چوتھی روایت اس میں افطار صوم کی فضیلت بیان کرتے ہوے یہ الفاظ ہیں کہ "تمھارا برادر مومن کے روزہ کا کھلوانا اور اس کے دل کو خوش کرنا خود تمھارے روزے سے افضل ہی"

اس روایت سے نیز دیگر کلیات شرع کی بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ روزہ کو افطار کرانے کا یہ ثواب اُس صورت میں ہی کہ جب وہ مومن اس کو پسند کرتا ہو اور اس سے اس کے دل کو مسرّت حاصل ہو لیکن اگر وہ اس سے کبیدہ خاطر ہی اور خواہ مخواہ بضد ہو کر اور اصرار کرکے اُسے روزہ افطار کرنے پر مجبور کیا گیا ہی تو اس میں ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ بعض لوگ خواہ مخواہ کے لیے روزہ کھولنے پر اصرار کرتے ہیں اور روزہ نہ کھولنے پر بگڑنے جاتے ہیں ان کا یہ طرزِ عمل درست نہیں ہی۔

پانچویں روایت اس میں افطار کی فضیلت میں یہ قید ہی کہ "اپنے گھر پر بلا کر افطار کرائے" اب اگر اس اصول پر عمل کیا جائے کہ اگر ایک جگہ کلام

پہلی حدیث اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روزہ افطار کرانے کا ثواب اتنا سستا نہیں ہے جو ہر شخص کو صرف ایک دانۂ خرما اور ایک جرعۂ آب سے حاصل ہو جائے بلکہ اُن لوگوں کے لیے جو استطاعت رکھتے ہیں اتنی مقدار کافی نہیں ہوگی۔ انھیں افطار میں حسب حیثیت زیادہ کھلانا چاہیے یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو صرف اتنی ہی استطاعت رکھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ایک غریب اور محتاج فاقہ کش کے لیے بسا اوقات ایک دانۂ خرما اس سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جتنی کہ ایک امیر کے لیے ایک پر تکلف ضیافت یہ خدا کے کرم کی وسعت ہے اُن کے لیے جن کا حوصلہ خدمت خلق کے لیے بلند ہے مگر اُن کی حیثیت و مقدرت اُن کے کے لیے آرزوؤں کے پورے ہونے کی گنجائش نہیں رکھتی۔ خدا نے اُن کے لیے اُن کی نیت کے خلوص اور ضمیر کی سچائی کی قدر کرتے ہوئے یہ وسعت پیدا کی ہے کہ وہ جو کچھ ممکن ہو اُس کو دریغ نہ کریں انھیں وہی ثواب مل جائے گا جو ایک صاحب استطاعت انسان کو اپنی حیثیت کے مطابق افطار صوم کرانے میں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہی فیشن بنا لیا جائے کہ ماہ رمضان میں ایک خرما دیا اور اپنے نزدیک روزہ افطار کرانے کے ثواب کے حق دار ہو گئے۔ ایسے لوگ جو استطاعت زیادہ کی رکھتے ہیں اس ایک چھوہارے کے دے دینے سے ہرگز اس اجر کے مستحق نہیں ہو سکتے جو مومنین کا روزہ افطار کرانے کے لیے حضرت احدیت نے مقرر فرمایا ہے

دوسری اور تیسری روایت کا یہ مضمون ہے کہ تمھارا روزہ کھلوانا ثواب میں خود تمھارے روزہ رکھنے کے مثل یا اُس سے افضل ہے اس سے مراد مستحبی روزہ ہے کیونکہ ثواب میں توازن کیا جا رہا ہے اس لیے اس کا نتیجہ وہیں ظاہر ہو سکتا ہے جہاں کہ صرف ثواب کا سوال درپیش ہو یہ سمجھنا چاہیے کہ واجبی روزہ کے بجائے اگر کسی مومن کا روزہ کھلوا دیا تو ثواب وہی مل گیا اس لیے روزہ کی ضرورت نہ رہی۔ یہ خیال

کی خواہش سے روزہ کو کھول ڈالو تو وہ اس روزہ کے مکمل کرنے سے افضل ہے۔ مگر میرے
خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ برادر مومن واقعی آپ کو کچھ کھانا کھلانا چاہتا ہے اور
اس کا دل چاہتا ہے کہ آپ اُس کے یہاں کھانا کھائیں یا کوئی پسندِ خاطر چیز جسے وہ بہ نظر
محبت آپ کو کھلانا چاہتا ہے تو روزہ کی بناء پر اس کی خواہش پورا کرنے سے گریز نہ کیجیے۔
مگر یہ پان کی گلوری اور الائچی اور ایک چھوہارا جس کا مقصد صرف روزہ کا ختم کرانا ہے
ہرگز ضیافت اور دعوت کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ حالانکہ اگر ہم روزہ سے نہ ہوتے
تو شاید نصیب بھی نہ ہوتا۔ رہ گیا مومن کی خواہش کو پورا کرنا تو وہ مومن خود کیا ہے جو ہماری
اس خواہش اور دلی تمنا کو پورا نہیں ہونے دیتا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے روزہ کو مکمل
رکھیں، وہ خواہ مخواہ ہمیں کیوں ہماری خواہش کے خلاف مجبور کرتا ہے یہاں ایک
بات اور کہتا چلوں کہ بعض لوگ مستحبی روزہ اور بالخصوص ہزاری روزہ صرف اس امید
پر رکھتے ہیں یا کم از کم اس یقین کے ساتھ کہ کوئی کھلوائے گا اور ہم کھول ڈالیں گے
ایسے اشخاص کے روزہ کی صحت بہت دشوار ہے میرے نزدیک تو ان کا روزہ ہوتا ہی نہیں
کیونکہ روزہ ایک عمل ہے جس کی ابتداء انتہا طلوع صبح صادق اور غروب آفتاب ہے۔ اگر قصد ہے
اس وقت تک امساک کا تو روزہ ہے اور اگر یہ قصد ہی نہیں تو روزہ نہیں اور جب نیت
کے وقت یہ خیال ہے کہ دو گھنٹہ کا معاملہ ہے پھر تو کھل جائے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قصد
روزہ کا پیدا ہوا ہی نہیں۔ اور اب اگر کسی نے روزہ کو کھلوایا تو وہ کھلوانا نہ ہوا کیونکہ
وہ پہلے سے بندھا ہی نہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس سے روزہ دار کو ثواب صوم مل سکتا ہے
نہ کھلوانے والے کو ثواب افطار صوم۔ روزہ تو اُس وقت ہوگا جب اپنا قصد یہی ہو کہ ہم شام
تک روزہ رکھیں گے مگر اتفاق سے کوئی شخص دعوت کر دے اور کھانا کھانے پر اصرار کرے تو

مطلق ہو اور دوسری جگہ مقید تو مطلق کو بھی مقید پر محمول کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فضیلت افطار منحصر ہو اُس صورت میں کہ جب اپنے گھر پر دعوت دے کر افطار کرایا جائے لیکن چونکہ مستحبات میں علمارے اس اصول کو جاری نہیں قرار دیا ہے اور اُن کا نظریہ اس بارے میں درست ہے بلکہ یہاں مطلق اور مقید الگ الگ مراتب فضیلت کے تفرقے پر محمول کیے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیادہ ثواب اسی میں ہے کہ اپنے گھر پر مدعو کیا جائے اور اُس سے کم ثواب ہے اس میں کہ کسی شخص کو آپ کچھ افطاری کے طور پر دے دیجیے کہ اپنے گھر پر یا جہاں جاہتا افطار کر لیتا

ایک خاص بات یہ ہے کہ میرے نزدیک ان تمام احادیث میں افطار صوم کا مطلب یہ ہے کہ روزہ پورے ہونے کے بعد روزہ دار کے افطار کا سامان فراہم کیا جائے لیکن ہمارے یہاں مستحبی روزوں میں جو اصرار ہوتا ہے کہ روزہ کو نامکمل طور پر درمیان ہی میں توڑ دیا جائے اور اسی کو بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے اور اس کے لیے بڑی کد و کاوش سے کام لیا جاتا ہے۔ خصوصاً عید مبعث کے روزہ میں جسے "ہزاری روزہ" کہا جاتا ہے یہ میرے خیال میں "افطار صوم" کے اس مفہوم سے خارج ہے اور اس طرح کے روزہ کو تڑوانے کا وہ ثواب نہیں ہے جو ان احادیث میں بیان کیا گیا ہے ثواب حاصل کرنا ہے تو روزہ کو مکمل ہونے دیجیے اور پھر بہ وقت افطار افطاری کا سامان کر دیجیے یہ ایک پان کی گلوری اور ایک چھوہارے اور ایک الائچی سے کسی کے روزہ کا خون کرنے سے کیا فائدہ ؟

اس قسم کے افطار کی خواہش جسے "سوال خدا" کہا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بے شک مستند احادیث اس بارے میں وارد ہوئے ہیں کہ اپنے برادر مومن

"یہ رمضان کا مہینہ ہے جو شخص اس میں دن کو روزہ رکھے اور رات کو نمازیں پڑھے اور باطن و ظاہر تمام اعضائے بدن کو پرہیزگاری اور پارسائی کا پابند رکھے تو اس مہینہ سے باہر نکلنے کی طرح وہ گناہوں سے بھی خارج ہو جائے گا"

جابر نے عرض کیا ما احسن ھذا الحدیث "یہ ارشاد کتنا عمدہ ہے"

"حضرت نے فرمایا یا جابر ما اشد ھذہ الشروط اے جابر یہ شرطیں بھی تو کتنی سخت ہیں"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ان الصیام لیس من الطعام والشراب وحدہ

"روزہ کا اصل مقصد صرف کھانے پینے کا چھوڑنا نہیں ہے"

فاذا صمتم فاحفظوا السنتکم و غضوا ابصارکم ولا تنازعوا ولا تحاسدوا

"جب روزہ رکھو تو زبانوں کو اپنے روکے رکھو اور نگاہوں کو باز رکھو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو اور نہ باہم ایک دوسرے پر رشک و حسد کرو"

جناب رسالتمآبؐ نے تو بڑے بلیغ عنوان سے اس امر کا اظہار فرمایا کہ روزہ باعتبار مقبولیت کے کالعدم ہو جاتا ہے اس صورت میں کہ جب افعال و اعمال پر نگرانی نہ قائم رکھے اور انسان روزہ کی حالت کا وقار و احترام اپنے عمل سے نہ کرے۔ حضرت نے ایک عورت کو سنا۔ ممکن ہے وہ خاتون آپ کے ازواج ہی میں سے کوئی ہو وہ روزہ کی حالت میں اپنی کنیز کو گالیاں دے رہی تھی حضرت نے کھانا منگوا کر فرمایا کہ یہ کھانا کھاؤ۔ اس خاتون نے کہا میں تو روزہ سے ہوں۔ حضرت نے فرمایا تم کیسی روزہ سے ہو کہ اپنی لونڈی کو گالیاں دیتی ہو۔ یاد رکھو کہ روزہ فقط کھانے پینے کے چھوڑنے کا نام نہیں ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا اذا صمت فلیصم سمعک و بصرک من الحرام والقبیح

اُس وقت اُس کی خواہش پر روزہ کھول دے اس صورت میں چونکہ نیت صوم ہو چکی ہے لہٰذا ثواب صوم بھی ملے گا اور پھر دعوت مومن کی قبولیت کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔

روزہ کے آداب و قواعد

روزہ تزکیۂ نفس کے لیے ہے اس لیے ائمہ معصومین علیہم السلام نے تاکید کی ہے کہ روزہ کی حالت میں انسان اپنی زبان و دل و نگاہ بہ ہر حصۂ جسم کا احتساب قائم رکھے اور اپنے طرز زندگی اور آئین معاشرت میں ایسی پابندی کرے کہ اس کا روزہ اپنی روحانی حیثیت کا مظہر اتم ثابت ہو سکے۔ چنانچہ امام جعفر صادق ع نے ارشاد فرمایا ہے۔ اذا صمت فلیصم سمعک و بصرک و جلدک۔ جب تم روزہ رکھو تو تمہارے کان، آنکھ اور جسم کی کھال ہر چیز روزہ دار رہو۔ مطلب یہ ہے کہ کان اُن آوازوں سے علیحدہ رہیں جن کا کان لگا کر سننا شرع نے حرام قرار دیا ہے۔ نگاہ اُن مناظر کے دیکھنے سے الگ رہے جن کا دیکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے جسم کی کھال ایسے اشیاء کے مس کرنے سے جدا رہے جن کا چھونا ناجائز ہے اسی طرح اور اعضائے جسم قیود و حدود کے پابند رہیں۔ آخر میں آپ نے فرمایا۔ لا یکن یوم صومک کیوم فطرک یعنی تمہارے روزہ کا دن مثل تمہارے بے روزہ کے دن کے نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہر شعبہ زندگی پر روزہ کا اثر نمایاں ہونا چاہیے

امام محمد باقر ع سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب ص نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے مخاطب ہو کر فرمایا یا جابر ھذا شھر رمضان من صام نھارہ وقام ورداً من لیلہ وعف بطنہ وفرجہ وکف لسانہ خرج من الذنوب کخروجہ من ھذا الشھر۔

اصلی مقصد اور منشا جو رضائے پروردگار کا باعث ہے اُسی وقت حاصل ہوگا جب روزہ میں انسان فرائض کا احساس قائم رکھے اور اپنے عمل کی نگرانی جاری رکھے۔

ان لوگوں کی توجہ دہانی کے لیے جو روزہ میں اظہار غضب کو اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ کچھ اور احادیث درج کئے جاتے ہیں جن سے روزہ میں غصّہ کو ضبط کرنے کی فضیلت ظاہر ہوگی۔

فضیل بن یسار کی روایت ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ روزہ کی حالت میں آدمی کسی سے جھگڑا نہ کرے اور نہ غصّہ سے کام لے نہ جلدی سے حلف اٹھائے اور قسمیں کھائے۔ ان جھل علیہ احد فلیحتمل۔ اگر کوئی اس کے مقابلہ میں جہالت سے کام بھی لے تو یہ برداشت کرے۔

دوسری حدیث سعدۃ بن صدقہ کی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے آبائے کرام کے ذریعہ سے حضرت رسالتمآبؐ سے روایت کی ہے۔ حضرت نے فرمایا مامن عبد صائم لیشتم فیقول السلام علیک لا اشتمک کما شتمتنی الا قال الرب تعالی استجار عبدی بالصوم من شر عبدی قد اجرتہ من النار۔

"جس روزہ دار خدا کے بندہ کو گالیاں دی جائیں اور وہ یہ کہے کہ خدا تیرا بھلا کرے، میں تجھے اس طرح گالیاں نہیں دوں گا جس طرح تو نے مجھے گالیاں دی ہیں تو پروردگار عالم فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے پناہ اختیار کی روزہ کی میرے دوسرے بندہ کی شرارت کے مقابلہ میں اب میں اس کو آتش جہنم سے پناہ دوں گا" اسی طرح کی روایت اسمٰعیل بن مسلم کوفی کی بھی امام جعفر صادقؑ سے ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جب اُسے گالیاں دی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں روزہ سے ہوں۔ خدا تیرا بھلا کرے تو خدا ارشاد

ودع المراء والذي الخادم ولا يكن عليك وقار الصائم ولا تجعل يوم صومك كيوم فطرك

"جب روزہ رکھو تو چاہیئے کہ کان اور آنکھ حرام اور بری باتوں سے محفوظ رہیں اور کسی سے جھگڑا نہ کرو اور خدمت گار کو تکلیف نہ پہونچاؤ اور چاہیئے کہ روزہ دار کا وقار تم پر نمایاں ہو اور روزہ کے دن کو اپنے بے روزہ کے دن کے مثل نہ رکھو خدمت گار کے ساتھ سختی نہ کرنے کا حکم۔ اس کے علاوہ بھی دوسری روایت میں ان لفظوں میں دیا گیا ہے وارفق بخادمك "اپنے نوکر کے ساتھ نرمی کرو۔"

یہ سبق دیا گیا ہے جس کے بجائے روزہ داروں کا وتیرہ بن گیا ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں "سیر غضب" بنے رہتے ہیں اور بات بات پر نوکر کی جان کو آئے جاتے ہیں۔ گویا وہ اپنے روزہ کا مظاہرہ اسی کو سمجھتے ہیں کہ انہیں ہر بات پر غصہ آئے حالانکہ روزہ میں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر غصہ کی بات بھی ہو تو ٹال دیا جائے یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی تمہیں گالیاں بھی دے تب بھی اپنے روزہ کی خاطر اُسے جواب نہ دو۔

دوسری بات جس میں بہ نسبت دوسرے دنوں کے بہت سے اشخاص کے یہاں روزہ کی حالت میں اضافہ ہو جاتا ہے وہ دوسروں کی بدگوئی اور ان کے عیوب کا تذکرہ کرنا ہے۔ گویا ہمارا وقت ہی نہیں کٹتا جب تک کہ دوسروں پر نکتہ چینی اور اُن کی برائیوں کا ذکر نہ ہو اس کو گزشتہ احادیث میں خاص طور سے منع کیا گیا ہے۔

بے شک روزہ کی رسمی صحت کے لیے اُن مفطرات کا ترک کر دینا جیسے کھانا پانی وغیرہ کافی ہے۔ ان معنوں سے کہ بعد میں اس روزہ کی قضا کی ضرورت نہیں مگر مقبولیت عمل کی اس کے مفاد اصلی کے اعتبار سے ہوتی ہے اور غالباً اجرا خروی کا تعلق مقبولیت ہی کے درجہ سے ہے۔ روزہ کا

فرمایا کہ ان اشعار کو نہیں پڑھا جانا چاہیے اور ماہ رمضان میں رات دن کسی وقت نہ پڑھا جائے۔ اسمٰعیل فرزند حضرت نے عرض کیا کہ بابا اگرچہ وہ شعر ہمارے بارے میں ہو حضرت نے فرمایا وان کان فینا۔ ہاں اگرچہ وہ ہمارے بارے میں ہو۔

ان روایات کے لحاظ سے نوحہ، مرثیہ، سلام، قصیدہ کسی طرح سے بھی اشعار کا استشہار ثابت نہیں ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح اہل بیت کا ایک مستقل ثواب اس ذریعہ سے حاصل ہو جائے اور وہ تمارک کر سکے اس کی ثواب کا جو شعر کی کہ اس سے روزہ میں پیدا ہوتی ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

ایک دلچسپ بحث

مشاہدہ گواہ ہے کہ ماہ رمضان کے بعد شوال کا چاند کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی تیس کا۔ جس طرح اور دوسرے مہینے اس اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے کسی قمری مہینہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہمیشہ ۲۹ ہی کا ہوتا ہے یا ہمیشہ ۳۰ دن کا۔ اسی طرح ماہ صیام کے متعلق بھی کوئی تعیین نہیں ہو سکتی مگر متعدد احادیث اس مضمون کے وارد ہوگئے ہیں کہ ماہ رمضان کبھی ۳۰ دن سے کم نہیں ہوتا بعض روایات میں نہایت سخت الفاظ میں اس چیز کا انکار کیا گیا ہے کہ پیغمبر نے کبھی ۲۹ دن کے بھی روزے رکھے بلکہ کہا گیا ہے کہ رسولؐ نے ہمیشہ ۳۰ ہی دن کے روزے رکھے۔ بعض روایات میں ہے کہ جب سے آسمان خلق ہوا اُس وقت سے ماہ صیام ہمیشہ کامل ہی ہوا۔ کبھی ۳۰ دن سے کم نہ ہوا ہے نہ ہوگا ان احادیث کا نتیجہ یہ ہے کہ ماہ صیام کے اختتام کے لیے چاند کا دیکھنا کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اصل چیز ۳۰ دن کا پورا کرنا ہے اس کے برخلاف کثیر التعداد احادیث میں

فرماتا ہے کہ اس نے روزہ کی پناہ لی۔ اس کو پناہ دے دی جائے اور اسے بہشت میں داخل کیا جائے۔ کاش اس نویدِ جانفزا ہی کو سن کر روزہ دار اپنے غیظ و غضب کی آگ کو خاموش کر دیں اور باغ بہشت کے سزاوار بنیں۔

شعر خوانی

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ شعر پڑھنا روزہ کی حالت میں مکروہ ہے ممکن تھا اس موقع پر یہ خیال کیا جاتا کہ شعر سے مراد مضامین شعریہ یعنی تخیلیہ ہیں خواہ نظم میں ہوں یا نثر میں لیکن اگر نظم میں کچھ حقیقی مطالب اور واقعی مضامین درج ہوں تو وہ اس حکم سے خارج ہوگا مگر احادیث نے اس خیال کی گنجائش باقی نہیں رکھی ہے وہاں تصریح کر دی گئی ہے کہ اگر شعر حق مطالب پر بھی مشتمل ہو یہاں تک کہ اہل بیت کی مدح میں تب بھی اس کا پڑھنا روزہ کی حالت میں مکروہ ہے۔ نیز یہ بھی تصریح ہے کہ رات اور دن اس حکم میں یکساں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماہ رمضان میں رات کو بھی شعر پڑھنا مکروہ ہے بلکہ رات کو تو عموماً شعر پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ غیر ماہ رمضان میں ہو۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے احادیث۔

حماد بن عثمان کی روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا مکروہ ہے شعر پڑھنا روزہ دار کے لیے اور اس شخص کے لیے جو حالت احرام میں ہو اور حرم میں اور روز جمعہ اور یہ کہ رات کو شعر پڑھے۔ راوی نے عرض کیا " چاہے وہ حق شعر کیوں نہ ہو؟ حضرت نے فرمایا وان کان شعر حق " اگرچہ حق شعر ہو "

دوسری روایت حماد بن عثمان وغیرہ کی روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے

فہرست مضامین

یہ ہے کہ ماہ رمضان بھی مثل دوسرے مہینوں کے ہے۔ جیسے وہ کبھی ۲۹ دن کے ہوتے ہیں
کبھی تیس دن کے اسی طرح ماہ رمضان بھی ۲۹۔ اور ۳۰ دونوں قسم کا ہوتا ہے اور اس
لیے رویت ہلال کا اعتبار ہے۔ اگرچہ چاند ۲۹ ہی کو نکل آیا تو روزہ ترک کر دینا لازم ہوگا
ان احادیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ نے دونوں طرح سے روزے رکھے ہیں ۲۹ کے
بھی اور ۳۰ کے بھی۔

ان احادیث کے اختلافات کی وجہ سے قدیم زمانہ کے علما میں بڑا شدید اختلاف
پیدا ہو گیا۔ ایک طبقہ نے پہلے احادیث پر عمل کیا اور انھوں نے ہر مہینہ کے لیے کچھ تعداد دنوں
کی مقرر کر لی۔ اس طرح کہ ماہ رمضان ۳۰ دن شوال ۲۹ دن ذی القعدہ ۳۰ دن ذی الحجہ
۲۹۔ دن۔

یوں ہی ایک مہینہ پورا اور ایک مہینہ ناقص۔ یہ لوگ اصحاب العدد کہے جاتے ہیں
دوسرے علما نے مشاہدہ کے مطابق دوسرے قسم کے احادیث پر عمل کیا یہ لوگ اصحاب الرویہ
کہے گئے۔ تیسری چوتھی صدی ہجری تک یہ اختلاف بڑے زوروں پر تھا اور باہم ایک
دوسرے کی رد میں رسالے بھی لکھے گئے چنانچہ متعدد رسائل اس موضوع پر کتب تراجم میں
ہمارے علم میں موجود ہیں مگر بعد میں یہ اختلاف مضمحل ہو گیا اور تمام علمائے شیعہ اسی بات کے
قائل نظر آنے لگے کہ تعداد کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل اعتبار رویت کا ہے۔ یہی اب عملی متفقہ
علمیہ حیثیت رکھتا ہے۔ اتنا یقینی سمجھ لیا گیا ہے کہ پہلی قسم کے احادیث قابل عمل نہیں ہیں مگر
آج تک کوئی دل نشین مفہوم ان احادیث کا سمجھ میں نہیں آیا۔

پبلشر

سید آفاق حسین رضوی

آنریری سکریٹری

امامیہ مشن لکھنؤ

رسالہ ۸۸

مطبوعہ

سرفراز پریس لکھنؤ